...لِلنَّاسِ

تم امت کے بہترین افراد ہو، لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ آلِ عمران ۱۱۰

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآن کی نظر میں

تالیف

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ون-اے-۷/۳ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون ۶۱۱۴۴۸

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم امت کے بہترین افراد ہو، لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ آلِ عمران ۱۱۰

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآن کی نظر میں

تالیف

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ون۔اے۔۷/۲۰ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون ۶۱۱۴۴۸

سلسلہ اشاعت نمبر ۱۳

بار اوّل

۱۹۹۰ء ——— ۱۴۱۰ھ

نام کتاب ——— صحابہ کرامؓ قرآن کی نظر میں
نام مؤلف ——— علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی
کتابت ——— محبوب کریم صدیقی
طباعت ———
صفحات ——— ۳۲۸
تعداد طبع ——— ایک ہزار (۱۰۰۰)
قیمت ۵۰ روپے

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ
(رجسٹرڈ)

ایک ضروری وضاحت

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی تالیفات اب تک جناب سعید اللہ کاظمی ادارہ "انجمن اسوۂ حسنہ" کی معرفت شائع کرا رہے تھے۔ کاظمی صاحب قریباً دو سال ہوئے کہ امریکہ چلے گئے اور اشاعت کی تمام ترذمہ داری جناب شفاعت احمد صدیقی کے سپرد فرما گئے۔ شفاعت احمد صاحب نے جو اب ٹرسٹ کے چیرمین ہیں بڑی تگ و دو کے بعد ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالی اور اس کو "الرحمان پبلشنگ ٹرسٹ" کے نام سے رجسٹرڈ کرا لیا۔ زیر نظر کتاب اسی ادارہ کو شائع کرنے کا فخر حاصل ہے اور علامہ موصوف (جو خود بھی اس ٹرسٹ کے پیٹرن۔اِن چیف ہیں) کی تمام تصنیفات و تالیفات آئندہ اسی ادارہ سے شائع ہوا کریں گی قارئین کرام اور تاجر حضرات اس تبدیلی کو نوٹ فرما لیں۔

ادارہ

مؤلف کی دیگر کتب

قیمت	کتابوں کے نام	نمبر شمار
۲۰/۰۰	ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں	①
۶۰/۰۰	مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول	②
۶۰/۰۰	〃 〃 〃 حصہ دوم	③
۷۰/۰۰	〃 〃 〃 حصہ سوم	④
۶/۰۰	شبِ براءت کیا ہے ؟	⑤
۶/۰۰	مہدویت نے اسلام کو کیا دیا ؟	⑥
۷۰/۰۰	شبِ براءت ایک تحقیقی جائزہ	⑦
۲۴/۰۰	اسلام میں حفظِ مراتب	⑧
۴۵/۰۰	کیا ہمارا قرآن ایک ہے ؟	⑨
۶۰/۰۰	تحقیق عمرِ صدیقہ کائنات سلامٌ علیہا	⑩
۴/۰۰	کیا متعہ حلال ہے ؟	⑪
۱۵/۰۰	فاتحہ خلفِ امام	⑫
۵۰/۰۰	صحابۂ کرام قرآن کی نظر میں	⑬

ٹرسٹ کی دوسری کتابیں

قیمت	مصنف	کتاب
۴/۰۰	مولوی محمد رامپور (بھارت)	تقلید
۲/۰۰	محمد نیاز	رسمِ جہیز
۱۲/۰۰	مقبول احمد برنی	وراثت

ہر بڑے کتب فروش سے دستیاب ہیں

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ ون - اے ۷/۳ ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

فون ۶۱۱۴۴۸

سُرخیاں

عرضِ ناشر

ادارہ ہٰذا کتاب "صحابۂ کرامؓ قرآن کی نظر میں" اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہے۔ اس کتاب کا ایک طویل عرصہ سے انتظار تھا۔ خطوط پر خطوط آ رہے تھے، اصرار برابر بڑھ رہا تھا، کچھ گوشوں سے اشتیاق کا عالم دیدنی تھا لیکن اشاعت کے سلسلے میں ہماری کچھ مجبوریاں تھیں اور ساتھ ہی کچھ ناگزیر حالات بھی جن کی وجہ سے اشاعت میں یک گونہ تاخیر ہوئی۔ بارے اللہ کا شکر ہے کہ اس کی مدد شاملِ حال رہی اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں گو کافی علمی، تاریخی اور تحقیقی مواد اردو زبان میں منتقل ہو چکا ہے جو برسہا برس کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجے میں منظرِ عام پر آیا ہے لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ صحابہؓ کے کردار کی صحیح عکاسی آیاتِ قرآنی کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کو مرحمت فرمائی۔ آپ نے صحابہ کے اخلاقِ حسنہ، امت میں ان کا بلند مقام اور ان کا نمونۂ تقلید ہونا قرآن کی واضح آیات سے ثابت کیا ہے اور جو گرد تاریخی کہانیوں اور وضعی روایات نے ان کے کردار پر ڈال رکھی تھی قرآن کی محکم آیات نے ان کے چہروں کو منور اور تابناک کر دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پورا قرآن صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ

کتاب منفرد ہے اور اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہم نے افادہ عام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیات اور مضامین کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ صحابہ کا دین سے شغف اور مختلف مدارج میں ان کے خلوص کی عکاسی ہو سکے، پھر ان عنوانات کو دو بڑے ادوار میں بانٹ دیا ہے یعنی مکی دور کی آیات اور ان سے متعلق مضامین اور مدنی دور کی آیات اور ان سے متعلق مضامین علاحدہ علاحدہ کر دیئے ہیں تاکہ تاریخی تسلسل قائم رہے اور حالات اور واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں ہمیں اس ضمن میں آپ کی قیمتی آرا کا انتظار رہیگا۔

نظام الدین خاں
معتمد عمومی

مقدمہ

(عرض مصنف)

عزیزان گرامی۔ آج میں آپ کے روبرو ایک نئی کتاب پیش کر رہا ہوں جس کا نام "صحابۂ کرام قرآن کی نظر میں" تحریر کیا گیا ہے۔

صحابۂ کرام کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ یا تو محدثانہ نظر سے لکھی گئی ہیں یا مورخانہ نظر سے کیونکہ صحابۂ کرام پر جتنے اعتراضات ہوتے ہیں۔ وہ اسی نکتۂ نگاہ سے ہوتے ہیں حالانکہ صحابۂ کرام کو قرآن کے نکتۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔

میں نے اس موضوع پر دو سال قبل کچھ لکھنا شروع کیا تھا اسی دوران ضیق سانس کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اب بھی اسی مرض کا شکار ہوں جس کے باعث کافی دنوں تک کچھ نہ لکھ سکا۔ پھر میرے ذہن میں آیا کہ مجھے تو اس موضوع کے لئے کسی قسم کی کتاب کے مطالع کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ میں قرآن کا حافظ ہوں اور ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ مکی ہے یا مدنی۔ اور یہ کہ اس آیت میں جن حضرات کی تعریف بیان کی جا رہی ہے اس میں مہاجرین مکہ کی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں یا انصار مدینہ کی۔ چنانچہ میں نے اسی فکر کو لیکر مضمون کو آگے بڑھایا۔

اپنی طویل بیماری کے باعث جو کچھ بھی پیش کر سکا ہوں اس کے متعلق یہ تو وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ صحابۂ کرام کے بارے میں قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ سب اس کتابچہ میں آگیا یا نہیں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ قرآن کی اس سلسلہ میں بیشتر آیات ضرور آگئی ہیں۔ اور اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں تفسیر قرطبی میرے پیش نظر رہی ہے۔ چنانچہ اسے باقاعدہ کتاب تو نہیں کہہ سکتے ہاں اسے مجموعۂ خیالات ضرور کہہ سکتے ہیں۔ جو میں آپ کی خدمت میں اس خیال سے پیش کر رہا ہوں کہ صحابۂ کرام پر قرآن کی رو سے اب تک کچھ نہیں لکھا گیا تھا میں نے اس معروضہ میں سب کچھ اپنا

ذہن پیش کر دیا ہے ۔ اب اگر کوئی شخص کسی صحابی پر موجودہ تاریخ کی رو سے کوئی اعتراض کرتا ہے تو میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ تاریخ قطعی جھوٹ پر مبنی ہے ۔ محدثین نے تاریخ سے صرف اتنا کام لیا ہے کہ فلاں شخص کب پیدا ہوا۔ کب مرا۔ اس نے کس کس سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے کون کون شاگرد ہیں۔ اور کہیں کہیں محدثین یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ وہ کن خیالات کا حامل تھا۔ پورے اسماء الرجال میں آپ کو یہی بات نظر آئے گی۔

ان امور کے علاوہ صحابہ کرام سے متعلق جو اور کہانیاں ہیں انھیں محدثین بیان نہیں کرتے، بلکہ انھیں قبول بھی نہیں کرتے۔ اور وہ کہانیاں جو تاریخ کے نام سے ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اس کے وضع کرنے والے اور لکھنے والے سب خالص رافضی ہیں۔ صرف طبقات ابن سعد اس لحاظ سے مشہور ہے کہ وہ ایک سنی کی تصنیف ہے لیکن ابن سعد واقدی کا کاتب ہے اور اسی کے اقوال پیش کرتا ہے اور واقدی خالص رافضی اور کذاب ہے۔ اور محدثین اس کی کوئی بات قبول نہیں کرتے۔

اس لحاظ سے ہم آج تک جس تاریخ پر ایمان رکھتے ہیں مثلاً مغازی ابن اسحاق۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ طبری وغیرہ یہ سب کتابیں شیعہ ذہن کو پیش کرتی ہیں سنی نقطۂ نگاہ کو پیش نہیں کرتیں یہی وہ تاریخ ہے جسے ہمارے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جمع فرمایا ہے۔

اسی لئے میں نے اس سے جداگانہ نیا ذہن آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور وہ قرآن کا ذہن ہے۔ اس ذہن سے صرف وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو قرآن پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو ان امور میں سے کسی امر کے منکر ہیں وہ قرآن کے منکر ہیں۔ اس تمہید کے ساتھ یہ قرآنی مضامین کا مجموعہ آپ کے پیش نظر ہے جو اردو زبان میں ایک نایاب اور منفرد اضافہ ہے۔

حبیب الرحمٰن کاندھلوی

مکی دور

مکی سورتیں

جن کی آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں

سورہ نمبر	نام سورۃ	سورۃ نمبر	نام سورۃ
۶	الانعام	۴۲	الشوریٰ
۱۵		۴۳	الزخرف
۱۶	النحل	۴۴	الدخان
۱۷		۴۵	الجاثیۃ
۱۸	الکہف	۴۶	الاحقاف
۱۹	مریم	۵۰	ق
۲۰	طٰہٰ	۵۱	الذاریات
۲۱	الانبیاء	۵۲	الطور
۲۳	المومنون	۵۴	القمر
۲۵	الفرقان	۵۶	الواقعہ
۲۶	الشعراء	۶۸	القلم
۲۷	النمل	۶۹	الحاقۃ
۲۸	القصص	۷۰	المعارج
۲۹	العنکبوت	۷۳	المزمل
۳۰	الروم	۷۷	المرسلات
۳۱	لقمان	۷۸	النباء
۳۲	السجدہ	۸۰	عبس
۳۴		۸۳	المطففین
۳۵	فاطر	۸۴	الانشقاق
۳۶	یٰس	۸۵	البروج
۳۷	الصافات	۹۰	البلد
۳۸	ص	۹۲	اللیل
۳۹	الزمر	۹۵	التین
۴۰	المومن (غافر)	۱۰۳	العصر
۴۱	حٰم السجدہ (فصلت)		

متقین کون ہیں

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ (الذاریات ۱۵ - ۲۰)

بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے (اور ان کے رب نے ان کو جو ثواب) عطا کیا ہوگا وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے (اور کیوں نہ ہو) وہ لوگ اس کے قبل (دنیا میں) نیکوکار تھے وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۵۱ : ۱۵ — ۲۰)

ان آیات میں مومنین صحابہ سے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ یہ حضرات جنتوں اور ان کے نیچے جو چشمے بہہ رہے ہوں گے اس میں ہوں گے ان کا پروردگار جو انہیں عطا کرے گا بہ اُسے بہ خوشی قبول کریں گے۔ در اصل یہ حضرات پہلے ہی سے نیک لوگ تھے، رات کو بہت کم سوتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے تھے۔ وہ اپنے اموال میں سے سائل اور محروم لوگوں کا بھی حق ادا کرتے تھے۔ در اصل یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

ان آیات میں ان مذکورہ خوبیوں کے ساتھ یہ خوبی بھی بیان کی گئی ہے کہ ان صحابہ کے مال میں سائل اور محروم لوگوں کا بھی حق ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیات مکی ہیں اور ایسی کوئی آیت نہیں جو اس آیت کے احکام کو منسوخ کر رہی ہو لہٰذا زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ یہ حکم علی حالہ باقی ہے۔ ہاں ان آیات میں یہ نکتہ ضرور ہے کہ مستحق لوگوں کو جو مال دیا جاتا ہے وہ دینے والے کا کوئی احسان نہیں۔ از روئے قرآن ضرورتمندوں کا ہمارے مال میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حق تھا اب اگر ایک حق دار ہم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے تو سرمایہ دار کو تکلیف کس بات کی ہے۔ لہٰذا از روئے شریعت ہر پیسے والے پر دوسرے کا حق ادا کرنا واجب ہے۔ پس صرف فرق یہ ہے کہ شریعت نے یہ کام آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے تاکہ آخرت میں اس کی باز پرس ہو سکے۔ گویا یہ صحابہ کرام جہاں اور حق ادا کرتے ہیں وہاں یہ حق بھی بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔

یہ آیت مکی ہے۔ اس آیت میں جن صحابہ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے وہ سب مکی ہیں۔ یعنی مہاجرین مکہ۔ جنھیں سبائی منافقین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔ (اللیل۔ ۱۷-۲۱)

اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال محض اسی غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے

ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اس کا بدلہ اُتارنا (مقصود)
ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی
نعمتیں ملیں گی) (۹۲: ۱۷-۲۱)

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بارے میں نازل ہوئیں۔ عطار اور ضحاک نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے بلالؓ کو ایذا پہنچائی اور بلالؓ احد احد کہہ رہے تھے۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپؐ نے ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے ابوبکرؓ بلالؓ اللہ کی راہ میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ اس کہنے پر ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کو سمجھ گئے اور اپنے گھر گئے اور سونے کا ایک رطل لیا وہ لے کر امیۃ بن خلف کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ کیا تو بلالؓ کو بیچتا ہے۔ امیۃ بن خلف نے اس کا اقرار کیا۔ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ جس پر مشرکین بولے ابوبکرؓ نے اسے جو خرید کر آزاد کیا ہے وہ بلالؓ کی دست کاری کے باعث کیا ہے تو اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ۔

ابو حیان التیمی نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے جنھوں نے اپنی بیٹی سے میرا نکاح کیا اور مجھے دار الہجرت پہنچایا اور اپنے مال سے بلالؓ کو آزاد کیا۔

ابوبکرؓ نے جب بلالؓ کو خریدا تو بلالؓ نے ان سے سوال کیا آپ مجھے اپنی ذات کے لئے خرید رہے ہیں یا اللہ کی رضا کے لئے۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اللہ کی رضا کے لئے۔ بلالؓ نے عرض کیا آپ مجھے آزاد کر کے چھوڑ دیں۔ ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ ہمارے سید ہیں اور ہمارے سید کو انہوں

نے خرید کر آزاد کیا۔ (قرطبی۔ جلد ۸ صفحہ ۱۸۱)

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سید نامی کوئی خاندان نہیں بلکہ ہر بڑے کو سید کہا جاتا ہے حتیٰ کہ حضرت بلالؓ بھی سید ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ○ لِیُكَفِّرَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

(الزمر: ۳۳-۳۵)

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں (ان کا فیصلہ یہ ہوگا کہ) وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا تاکہ اللہ تعالےٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب دے۔ (۳۹: ۳۳-۳۵)

قرطبی لکھتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ سچائی لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے سے کیا مراد ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد ابو بکر صدیقؓ ہیں۔

ابن زید، مقاتل اور قتادہ کا قول ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور تصدیق کرنے والے سے مراد عام مومنین ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آگے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ یہ متقی لوگ ہیں۔

یہ الفاظ کہ انھیں اچھے اعمال کی جزا ملے گی اس بات کا ثبوت ہے کہ جو عمل کرنے والے نے خود نہیں کیا (بلکہ زبردستی قرآن خوانی، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ) کے نام سے ان پر چسپاں کر دیا گیا) مرنے والے سے اس کا کوئی حساب وکتاب نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ مرنے والے کا عمل نہیں۔ ان کی بازپرس ان لوگوں سے ہوگی جو مُردوں کے نام سے یہ کام کرتے ہیں۔ مرنے والے کے نامۂ اعمال میں کسی اور کے عمل کا اندراج نہیں ہو سکتا۔ نہ ثواب کا نہ عذاب کا۔ ان متعلقین صحابہ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے گی۔

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (الزمر ٦١)

اور جو لوگ (شرک وکفر سے) بچتے تھے اللہ تعالٰے ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو ذرا تکلیف نہ پہونچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے (کیونکہ جنت میں غم نہیں) (۳۹:۶۱)

یعنی جو حضرات شرک ومعاصی سے بچیں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں نجات عطا فرمائے گا۔ انھیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ آیت بھی مکی ہے اور جن حضرات کی نجات کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بھی سب مکی ہیں۔ ان میں کسی شخص کا نام مذکور نہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ تمام مہاجرین صحابہ نجات پائیں گے۔ نہ انھیں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ انھیں کوئی غم ہوگا۔ گویا یہ آیت اس امر کا ثبوت ہے کہ تمام مہاجرین نجات پائیں گے۔ اب اگر کوئی ان میں سے کسی کو منافق سمجھتا ہے تو وہ قرآن کا منکر ہے۔

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (الزمر ۷۳-۷۴)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے) اور وہاں محافظ (فرشتے) ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزے میں رہے سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں، غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلا ہے۔ (۳۹: ۷۳، ۷۴)

پہلے جہنمیوں کا حال بیان کیا گیا تھا اب متقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ انھیں ٹولیوں کی صورت میں جنت کی جانب لے جایا جائے گا۔ جب یہ جنت پر پہنچیں گے تو وہاں انھیں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ملیں گے جنت کے نگراں انھیں سلام کریں گے اور کہیں گے تم اس میں خوشی خوشی ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ اس پر یہ اہل جنت اللہ کا شکر بجا لائیں گے اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں سرزمین جنت کا وارث بنایا ہم جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں اور یہ عمل کرنے والوں کا بہت اچھا اجر ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ مکہ میں اسلام لانے والوں کا ایک گروہ ایسا ہوگا جو قرآن کی ان صفات سے متصف ہوگا۔ انہی صحابہ کو ہم مہاجرین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ (القلم ۳۴)

بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں۔ (۳۴-۶۸)

یہ سورۂ قلم کی ایک آیت ہے۔ سورۂ قلم ہجرت سے ایک عرصہ قبل نازل ہوئی۔ گویا ان آیات میں جن متقین کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ سب مہاجر صحابہ ہیں۔ تاریخی روایات کے ذریعہ ان میں سے کسی کو غیر مسلم قرار دینا قرآن کی تکذیب کے مترادف ہے۔ مثلاً خوارج نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں کو بلکہ ان حضرات گرامی کو مسلم کہنے والوں کو بھی کافر قرار دیا۔ رافضیوں نے علیؓ کے علاوہ ان میں سے کسی کو مؤمن سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب جنت میں ہوں گے اور پروردگار کے نزدیک سب متقین میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝ (الزمر ۲۰)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے (جنت کے) بالاخانے ہیں اور جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا۔ (۳۹ : ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار کا حال بیان کیا تھا اب اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ متقین کے لئے جنت میں اوپر نیچے کھڑکیاں کھلی ہوں گی اور نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ گویا ان کھڑکیوں سے یہ صورت حال دیکھتے ہوں گے، اور اللہ نے جو ہر دو فریق سے وعدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔

یہ آیت مکی ہے اور اس میں تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں جو کہ بیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(البقرہ ۲-۵)

راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں وہ یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے۔ اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ (۲ : ۲-۵)

یہ کتاب یعنی قرآن مجید متقین کے لئے ہدایت ہے اور متقین کے اوصاف حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ غیب پر ایمان رکھنا (ایسے امور جن کا علم اللہ اور اس کے رسول کے بتائے بغیر نہیں ہوسکتا مثلاً جنت و دوزخ وغیرہ)

۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ دینا۔

۴۔ پہلی کتابوں پر ایمان رکھنا۔

۵۔ کتاب اللہ یعنی قرآن پر ایمان لانا۔

۶۔ آخرت پر یقین رکھنا۔

دراصل یہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ان آیات سے یہ امر تو واضح ہوگیا کہ جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی بات کا منکر ہو مثلاً قرآن کا منکر ہو اور اس طرح ان گذشتہ امور کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ لوگ نہ تو ہدایت پر ہیں اور نہ فلاح پانے والے ہیں۔

لیکن صحابہ کرام ان تمام صفات سے متصف تھے۔ کیونکہ وہ ان تمام امور پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت حسنؓ و حسینؓ وجود میں بھی نہ آئے تھے۔ اس لئے کہ سورہ بقرہ ۲ھ میں نازل ہوئی اور حضرت علیؓ کی شادی ۲ھ کے آخر یا ۳ھ کی ابتداء میں ہوئی۔ گویا ان آیات کے تحت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ تو داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن پنج تن کا اس وقت کوئی وجود نہ تھا۔ اور پنج تن کے پجاریوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں۔ لہذا یہ لوگ نہ صاحبِ ایمان ہیں اور نہ صاحبِ قرآن۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ڏ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ (الواقعہ ۸۸ - ۹۱)

پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے تو راحت ہے اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے کہ تو دائیں والوں میں سے ہے۔ (۵۶ : ۸۸-۹۱)

یہ سورہ واقعہ کی آیات ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالے نے ان آیات میں مقربین اور اصحابِ یمین کا نقشہ بیان کیا ہے۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ مقربین ہوں یا اصحٰب یمین یہ ان صحابہ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے جو ابتدا میں اسلام سے مشرف ہوئے اور اسی زمانے میں

مقربین اور اصحٰب یمین کے مقام کو حاصل کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو عبیدہ، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت بلالؓ اور حضرت ابو فکیہہؓ وغیرہ انہی حضرات کے ساتھ حضورؐ کی صاحبزادیاں بھی ہیں یہ ہمارے مورخین کی ایک بہت بڑی لغویت ہے یا بہت بڑا تشیع ہے کہ انھوں نے حضورؐ کی صاحبزادیوں کے ایمان کا کہیں تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے تذکرہ سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں ثابت ہوتی تھیں جو سبائیوں کی برداشت سے باہر تھیں۔ اس لئے آپ کی صاحبزادیوں کے ایمان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

صحابہ کی رقیق القلبی

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ (مریم : ۵۸)

اور (یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا جب ان کے سامنے (حضرت) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گرجاتے تھے۔ (۱۹ : ۵۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہاں آیات رحمان سے مراد قرآن ہے یعنی جب بھی ان حضرات صحابہ کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گرجاتے ہیں۔ یعنی اول تو یہ صحابہ تلاوت کلام اللہ کرتے رہتے ہیں اور پھر اسے پڑھ کر روتے ہوئے سجدہ میں گرجاتے ہیں۔

یہ بھی سورۂ مریم کی ایک آیت ہے جس میں صحابہ کا نقشہ کھینچا جارہا ہے کہ جب بھی ان کے رو برو آیاتِ الٰہی تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ حضرات روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

اس آیت کے تحت تمام وہ صحابہ داخل ہیں جو ہجرت حبشہ سے قبل ایمان لا چکے تھے۔ اور عشرۂ مبشرہ اس میں پہلے داخل ہیں گویا کہ اللہ تعالےٰ نے اس بات کی وضاحت کی کہ اللہ تعالےٰ نے ان تمام حضرات کو ہدایت دی اور پسند کیا۔ ان کی رقیق القلبی کا عالم یہ ہے کہ جب بھی ان کے سامنے آیات اللہ تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ المائدہ - ۸۳

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ (۵ : ۸۳)

صحابۂ کرام جب اس قرآن کو سنتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو حق پہچاننے کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو شخص اس قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہ کرے اس کے آنسو کیسے جاری ہوں گے۔ وہ سبائی تو برملا یہ کہے گا کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں یہ قرآن اصلی کہاں ہے وہ تو امام غائب مع اور کتابوں کے ساتھ لے کر غائب ہو گئے تھے۔ اور جب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئیں گے۔ یہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس وقت قرآن اٹھا سکیں گے یا نہیں۔ کیونکہ بقول جعفر

"اُس صندوق میں سب کچھ ہے۔ توراۃ، انجیل، زبور اور صحف ابراہیم وغیرہ لیکن اس میں قرآن نہیں"۔ اب معلوم نہیں کہ وہ ڈھائی سالہ بچہ کیا لے کر بھاگا تھا سنا ہے کہ غار اہر من میں غائب ہو گیا تھا۔ لیکن آجکل تو کراچی میں نیٹی جیٹی کے پل کے نیچے پایا جاتا ہے۔ اسی باعث سونے کے پترے وغیرہ لکھ کر وہاں سمندر میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں، ہم خود وہاں کبھی گئے نہیں۔ کوئی ہم سے یہ نہ کہے "کہ شنیدہ کے بود مانند دید"۔ تو اللہ نے ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھا ہے۔ ہاں لوگوں سے ہماری درخواست ہے کہ شب تبرا ایسی رات کو نمازیں پڑھنا یا قبرستان کے چکر کاٹنے سے بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کراچی کے نیٹی جیٹی کے پل پر جا کر شب تبرا کا تماشا دیکھیں۔ اور پھر غور کریں کہ فی الواقع یہ شب براءت ہے یا شب تبرا۔

اصحاب یمین

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۝ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ۝ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ
وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ
اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ
الْيَمِيْنِ ؕ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ (الواقعہ)

اور جو اعلیٰ درجے کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں (اور) وہ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے، اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا اور ان کے لئے گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا (اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی۔ اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور نہ بتہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے

اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا۔ (۵۶: ۱۰-۴۰)

"سب سے آگے سبقت کرنے والے" محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام ہیں حسن بصری اور قتادہ کا بیان ہے کہ ہر امت میں پہلے ایمان لانے والے مراد ہیں، محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (مہاجرین اور انصار میں سے ابتداءً اسلام لانے والے)۔ مجاہد وغیرہ کا بیان ہے کہ جہاد میں سبقت کرنے والے اور نماز کی جانب پہل کرنے والے مراد ہیں سعید بن جبیر کہتے ہیں وہ لوگ مراد ہیں جو توبہ اور نیک عمل میں سبقت کرنے والے ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اپنے رب کی مغفرت کی جانب تیزی سے دوڑو۔ پھر اللہ نے ان حضرات کی ثنا فرمائی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کام میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ان کی جانب سبقت کرنے والے ہیں۔

شمیط بن عجلان کا بیان ہے کہ انسان تین قسم کے ہیں اول تو وہ شخص جس نے نوجوانی کی ابتدا میں سبقت کی۔ پھر اس نیک کام پر مداومت کرتا رہا حتیٰ کہ اس نے دنیا سے کوچ کیا یہ سابق مقرب ہے۔ دوسرا وہ انسان ہے جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گناہوں میں گزارا اور خوب غفلت میں مبتلا رہا۔ پھر اسے توبہ کی توفیق ہوئی اور اسی پر اس کی موت واقع ہوئی تو یہ لوگ اصحاب یمین میں سے ہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے جس نے پوری زندگی

گناہوں میں گزاری اور اسی پر مرتے دم تک قائم رہا حتی کہ اس کا خاتمہ ہو گیا تو یہ شخص اصحاب شمال میں سے ہے۔

زجاج کا بیان ہے جو شخص اطاعت الٰہی کی جانب سبقت کرے وہ مقرب ہے۔ یہ مقربین پہلے لوگوں میں سے ایک بڑی جماعت ہے اور کچھ بعد کے لوگوں میں سے ہیں حسن بصری کا بیان ہے کہ اس امت سے پہلے جو اور امتیں گزری ہیں ایک بڑی جماعت ان میں سے ہے اور ایک قلیل جماعت حضورؐ کے صحابۂ کرام میں سے ہے اور سابقہ اقوام کے مقابلہ میں ان کی تعداد تھوڑی تھی اس لئے انھیں قلیل من الآخرین کہا گیا ہے۔

ماوردی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر شاق گزرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کے چوتھائی ہو گے بلکہ ان کے تہائی بلکہ اہلِ جنت کے نصف اور تم انھیں دوسری صف میں تقسیم کرو گے یہ ماوردی کا بیان ہے اور صحیح مسلم میں اسی مضمون کی ایک حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے۔ "دوسروں میں سے کچھ تھوڑے لوگ" یہ جماعت اصحاب الیمین میں سے ہو گی جو سابقین کے علاوہ ہوں گے اس لئے کہ اللہ تعالے کا ارشاد ہے "کہ ایک گروہ پہلوں میں سے اور ایک گروہ بعد والوں میں سے"۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ اہلِ جنت میں سے میری امت آدھی ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"پہلوں میں سے ایک گروہ اور دوسروں میں سے ایک گروہ"۔

امام مجاہد کہتے ہیں یہ ہر دو طبقے اسی امت میں سے ہوں گے۔ سفیان نے ابان اور سعید بن جبیر کے ذریعہ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "یہ دونوں گروہ میری امت میں سے ہوں گے"۔

یہ سونے کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس وہ لڑکے جو ہمیشہ

رہنے والے ہیں۔ پیالے اور صاف پانی پیش کریں گے۔

مخلدن کے معنی ہیں وہ لڑکے جن کے لئے موت نہ ہو۔ یہ امام مجاہد کا قول ہے۔ حسن بصری اور کلبی رافضی کا بیان ہے جنہیں نہ کبھی بڑھاپا آئے اور نہ ان میں کوئی تغیر واقع ہو۔ غلمان غلام سے بنا ہے اور عربی میں غلام نابالغ لڑکے کو بولتے ہیں۔

علی بن ابی طالب اور حسن بصری کا کہنا ہے کہ غلمان مسلموں کے وہ لڑکے ہوں گے جو بلوغ سے قبل مر گئے ہوں گے جن کی نہ کوئی نیکی ہوگی اور نہ کوئی برائی۔ سلمان فارسی کی رائے ہے کہ یہ مشرکوں کے لڑکے ہوں گے جو اہلِ جنت کے خادم ہوں گے۔

حسن بصری کا خیال ہے کہ یہ وہ لڑکے ہوں گے جن کی کوئی ایسی نیکی بھی نہ ہوگی جس کا بدلہ دیا جائے۔ اور کوئی ایسی برائی بھی نہ ہوگی جس کی سزا دی جائے۔

اباریق ابریق کی جمع ہے۔ ابریق اس پیالے کو کہتے ہیں جو اپنی صفائی کے باعث چمکتے ہوں۔ ان کے پینے سے سر میں گرانی بھی پیدا نہ ہوگی۔ اوران کی عقلوں میں فتور پیدا نہ ہوگا۔

ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی۔ ابو عیسیٰ کہتے ہیں یہ روایت حسن ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (البلد ۱۷-۱۸)

پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہنے والے ہیں۔ (۹۰: ۱۷-۱۸)

یہ سورت بلد کی آیات ہیں جو متفقہ طور پر مکی ہیں۔ ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور دیگر حضرات کو صبر اور رحمت کی تلقین کرتے رہے در اصل اصحٰب میمنہ تو یہ ہیں۔

حکیمؓ بن حزام نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ نیک کام تقرب الٰہی کے لئے کرتا رہا ہوں کیا مجھے اس کا کچھ اجر ملے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو ان نیک کاموں پر اسلام لایا ہے۔

باقیات الصّالحات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا - (الکھف ۴۶)

اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (۱۸ : ۴۶)

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ باقیات الصالحات سے کیا مراد ہے سعید بن جبیر، ابو میسرہ اور عمر بن شرجیل کا قول ہے کہ اس سے پانچوں نمازیں مراد ہیں عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے ہر وہ عمل صالح مراد ہے جو آخرت کے لئے باقی رہے۔ خواہ اس عمل صالح کا تعلق افعال سے ہو یا اقوال سے۔

یعنی ہر وہ نیکی جس کا ثواب آئندہ بھی باقی رہے وہ باقیات الصالحات ہے۔ اس لحاظ سے صحابہ کا ہر عمل باقیات الصالحات ہے کہ امت آج تک اس پر کاربند ہے۔ اور جب تک امت اس پر کاربند رہے گی انھیں اس کا اجر ملتا رہے گا۔

عبیدؓ بن عمیر کا قول ہے کہ باقیات الصالحات سے بیٹیاں مراد ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل فرمایا ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی نیک لڑکیاں اللہ کے نزدیک اپنے باپوں کے لئے ثواب کا ذریعہ ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے لئے آخرت میں اجر ہے۔

اعمالِ صالحہ کی ترغیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔ (۱۶ : ۹۰)

عکرمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن مغیرہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ الآیہ۔ ولید نے کہا۔ اے بھتیجے دوبارہ پڑھنا۔ آپ نے دوبارہ یہ آیت تلاوت کی۔ اس پر ولید بن مغیرہ نے کہا۔ اللہ کی قسم اس قرآن میں تو ایک حلاوت ہے اور دراصل بات یہ ہے کہ اس کی جڑ مزید پتے پیدا کرتی ہے اور اس کی شاخوں میں مزید پھل آتے ہیں۔ اور یہ کسی بشر کا قول نہیں۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ عدل سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور احسان سے مراد ادائے فرض ہے۔

فحشاء سے ہر قبیح قول و فعل مراد ہے اور منکر سے مراد وہ امور ہیں جنھیں شریعت منکر سمجھے۔

یہ تمام تفسیری روایات ہیں۔ ورنہ عکرمہ ابن عباس کا غلام ہے جو ابن عباس کی خدمت میں آخر عمر میں رہا۔ اسلام سے قبل کا زمانہ اس نے دیکھا بھی نہیں۔ ماشاء اللہ ہماری تمام تفسیری روایات اسی قسم کی بلکہ اس سے بھی بدتر نظر آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ

لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ
فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿ۚ۳۰﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ
الۡعٰدُوۡنَ ﴿ۚ۳۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَ عَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ۙ
وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ۙ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی
صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿ؕ۳۴﴾ اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿ؕ۳۵﴾ (المعارج ۲۲-۳۵)

مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلب گار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے۔ ۷۰ : ۲۲-۳۵

اس آیت سے قبل اللہ تعالٰے نے انسان کی تخلیقی حالت بیان کی کہ اسے فطرتاً بہت لالچی پیدا کیا گیا ہے جب بھی اسے ذراسی تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرانے لگتا ہے اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو دوسروں کو دینے سے منع کرنے لگتا ہے۔ لیکن ان عیوب سے یہ حضرات مبرا ہیں جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں اور ان کے اموال میں حق سائلین اور محرومین کا حق معلوم ہے اس کو ادا کرتے ہیں جو قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور پروردگار کے عذاب سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہ حضرات اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں

اور باندیوں کے علاوہ ہو اور جوان دو زیبیوں کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے گا وہ سرکش ہے۔ جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنتوں میں عزت کے ساتھ ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سائل اور محروم لوگوں کا مالدار لوگوں کے مال میں حق ہے۔ مالدار جو بھی ان غریبوں پر خرچ کرتا ہے وہ ان پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ ان حضرات کا جو حق ہے وہ ادا کرتا ہے۔ دینے والے کے دل میں یہ تصور کہ وہ ان غرباء کی مدد کر رہا ہے یہ قطعاً غلط ہے۔

یہ تمام آیات مکی ہیں۔ اور ان میں جن لوگوں کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ وہ مکہ کے سابقین اسلام ہیں جن کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اور آخر میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ عزت کے ساتھ جنتوں میں ہوں گے۔ یعنی ان آیات میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ مہاجر صحابہ کی عظمتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؑ (البقرہ ۴۵-۴۶)

اور (اگر تم کو حب مال و جاہ کے غلبہ سے ایمان لانا دشوار معلوم ہو تو) مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ (۲ : ۴۵ - ۴۶)

اے صحابہ تم صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرتے رہو۔ یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے اور سورۂ بقرہ ۲ھ میں نازل ہونی شروع ہوئی۔ یہ وہ دور ہے جب صحابہ تنگ دستی میں مبتلا تھے۔ انھیں حکم دیا جا رہا ہے کہ تمھیں جب مدد طلب کرنی ہو تو ہر پریشانی پر صبر کرو، ثانیاً نماز پڑھو۔ اگرچہ یہ دونوں امور بہت بھاری چیزیں ہیں لیکن جو لوگ اللہ سے

ملاقات کا یقین رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے رو برو پیش ہونا ہے اور تمام امور کا جواب دینا ہے ان کے لئے یہ کچھ دشوار نہیں۔

گویا مسلمان پر یہ بھی لازم کیا گیا ہے کہ ہر مصیبت کے وقت صبر کریں۔ ثانیاً نماز پڑھیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑائیں گویا کسی مسلم کو جب کسی مدد کی حاجت ہو تو یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ وہ شیعوں کی نقالی کرتے ہوئے یا علی، یا حسین، یا غوث، یا رسول وغیرہ کے نعرے لگانا شروع کر دیں۔ گویا ہمیں ان دو امور کا پابند کیا جا رہا ہے۔ اول یہ کہ جو شخص دعویٰ اسلام کے باوجود ان غیر اللہ سے مدد کے لئے نعرے لگاتے ہیں وہ تارک قرآن ہیں دوسرے یہ کہ ان لوگوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ سے مدد طلب کریں اور نماز کی پابندی کریں۔ گو یہ امور عام لوگوں کے لئے دشوار ضرور ہیں لیکن مومنین کے لئے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۷-۷۸)

اے ایمان والو تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور (تم ایسے) نیک کام (بھی) کیا کرو امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔

اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا اور (اس نے) تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔ (نزول قرآن سے

پہلے ہی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ ہوں۔ اور اس شہادت رسولؐ کے قبل) تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو سو تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقۃً ضرر نہ کرے گی) سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔ (۲۲ : ۷۷-۷۸)

اے ایمان والو اللہ کو رکوع اور سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔ اور نیک کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں جو کوشش کا حق ہے وہ ادا کرتے رہو۔ اس نے تمھیں منتخب کیا۔ اور تمھارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمھارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ اسی نے تمھارا نام مسلم رکھا ہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بنیں اور تم انسانوں پر گواہ بنو۔ اور وہی اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ اچھا مولیٰ ہے اور اچھا مددگار ہے۔

یہ تمھارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ انہی ابراہیم نے تمھارا نام مسلم رکھا تھا۔ تاکہ رسول قیامت کے دن تمھارے گواہ بنیں۔ اور تم اے صحابہ تمام انسانوں کے گواہ بنو۔ لہذا نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہی اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔

جب اللہ تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوا تو دوسروں کو اپنا مولیٰ بنانا کیسے جائز ہوگا۔ جیساکہ شیعوں کی یہ من گھڑت کہانی مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ یا آجکل ملاؤں کو مولانا کہنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے قرآن کے ساتھ ایک بدترین مذاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو اس مذاق سے محفوظ رکھے۔

عربی زبان میں مولیٰ متضاد معنی دیتا ہے۔ اس کے معنی غلام کے بھی آتے ہیں جیسے ابورافع مولیٰ رسول اللہ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ، نافع مولیٰ ابن عمر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔ بلکہ دور صحابہ کے زمانہ سے یہ لفظ غلاموں کے ساتھ عام ہوگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو عبد کہنے سے منع فرمایا۔ لہذا عبد کی جگہ

مولیٰ کا استعمال شروع ہوا۔ اسلام میں جب کسی کو غلام کہنا مقصود ہوتا اُسے مولیٰ کہا جاتا لیکن سوال یہ ہے کہ جب کسی کو مولٰنا کہا جاتا ہے تو یہاں کونسا مولیٰ مراد ہے۔ اگر مولیٰ سے مراد اللہ تعالےٰ ہے تو اس کی ادائیگی حرام ہے۔ اس لحاظ سے تو صرف اللہ ہی مولیٰ ہے۔ اور اگر اس سے مقصود زر خرید غلام ہے تو ہمارے مولوی صاحبان یہ ثابت کریں کہ وہ کس کس کے زر خرید غلام ہیں۔ ہم تو انھیں چونکہ آزاد سمجھتے ہیں اس لئے انھیں مولیٰ یعنی غلام کہنا جائز نہیں سمجھتے۔

اسی طرح یہ روایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اگرچہ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے لیکن دراصل یہ رافضیوں کی اختراع ہے اور اس کہانی کے ذریعہ حضرت علی کی ولایت کا پرچار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیات کے آخر میں ارشاد فرمایا۔ بلکہ اللہ ہی تمھارا مولا ہے۔ اور وہ بہترین مولیٰ اور وہ بہترین مددگار ہے۔ گویا جو حضرات اللہ کے ساتھ اور مولاؤں کے پجاری ہیں وہ قرآن کی اس آیت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو انکار قرآن کے فتنے سے محفوظ رکھے۔

مومنین کی آزمائش

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (العنکبوت : ۲-۳)

(بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو) کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو (قسم قسم کے مصائب سے) آزمایا نہ جاوے گا۔ اور ہم تو (ایسے واقعات سے) ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعویٰ میں) سچے

تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ (۲۹ : ۲-۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس آیت سے مراد مؤمنین کی وہ جماعت ہے جو مکہ میں اسلام لائی اور کفار قریش انھیں اذیت دیتے رہتے اور اسلام لانے کی وجہ سے عذاب دیتے رہے۔ مثلاً سلمہؓ بن ہشام۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ، ولیدؓ بن الولید، عمارؓ بن یاسر، ان کے والد یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ اور بنومخزوم وغیرہ کے دیگر متعدد افراد جنھیں اسلام لانے پر سزائیں دی جاتیں۔

امام مجاہد وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اصول ہے کہ وہ مؤمن بندوں کا امتحان لیتا اور انھیں آزمائش میں ڈالتا ہے۔

قرطبی کا بیان ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ کہ بعض لوگ سرحدات کی حفاظت کرتے قید ہوئے اور دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ہوے ہیں۔ اور اسی طرح دیگر افراد مصائب و ابتلا اور بیماری وغیرہ کی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ماضی میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور ایک گروہ کی کھال لوہے کی چھلنیوں سے چھیلی گئی۔ لیکن انھوں نے تب بھی اپنا دین نہ چھوڑا۔

بخاری نے حضرت خبابؓ بن الارت سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں ٹیک لگائے چادر اوڑھے بیٹھے تھے۔ ہم نے آپ سے عرض کیا آپ اللہ سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے زمانہ میں لوگوں کو ایمان کی خاطر پکڑا جاتا اور انھیں زمین میں گاڑا جاتا۔ پھر ان کے سروں پہ آرا چلایا جاتا اور اس طرح ان کے دو ٹکڑے کردئے جاتے۔ اور ان کے جسموں پر لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتیں جو ان کے خون اور گوشت سے بھر جاتیں تو یہ عمل بھی انھیں ان کے دین سے نہ ہٹا سکا۔ اللہ کی قسم یہ دین مکمل ہو کر رہے گا۔ حتیٰ کہ ایک سوار صفاء (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا۔ نہ بھیڑیے کا خطرہ ہوگا کہ کہیں بکری پر حملہ نہ کردے۔

حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس پر سخت بلائیں

نازل ہوتی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا انبیاء پر پھر ان کے بعد جس کا درجہ ہوگا۔ دراصل انسان کی آزمائش اس کے دین کے مطابق کی جاتی ہے۔ اگر دین میں وہ سخت ہوتا ہے تو اس پر بلائیں بھی سخت ہوتی ہیں۔ اور اگر دین میں نرم ہوتا ہے تو اس پر بلائیں بھی نرم ہوتی ہیں۔ کوئی بندہ بغیر بلاؤں کے نہیں چھوڑا جاتا حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا پھرتا ہے کہ اس پر کوئی خطا نہیں ہوتی۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○ (التوبہ ۱۶)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے ایسے موقع پر جہاد کیا ہو اور اللہ اور رسول اور مومنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمھارے سب کاموں کی۔ (۹:۱۶)

اس آیت کریمہ میں مؤمنین سے محبت کے بغیر نجات کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ نبوت کے زمانہ میں صحابۂ کرام کے علاوہ کوئی اور مؤمن نہ تھا۔ گویا نزولِ قرآن کے وقت ان صحابۂ کرام کے علاوہ اور کوئی مؤمن نہیں۔ تو جو شخص ان حضرات کو اپنا دوست اور ہمراز نہ بنائے اس کا شمار دشمنانِ اسلام میں ہوگا نہ کہ اسلام کے نام لیواؤں میں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ، رسول اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو اپنا رازدار یا خصوصی دوست نہیں بنانا چاہیئے خواہ وہ ان کا کتنا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس آیت کا تعلق جنگ احد سے ہے اور اس جنگ میں سات سو صحابۂ کرام شریک تھے۔ ان تمام صحابہ کو مومن سمجھنا

اور ان کو اپنا دوست بنانا لازمی ہے۔ اب ایسی صورت میں جو شخص ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو اپنا دوست نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے اعمال سے خوب واقف ہے۔

گویا مومنین کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ اسے صحابہ کرام سے محبت ہے یا نہیں اگر صحابہ سے محبت نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے اعمال سے خوب واقف ہے۔

باہم مشاورت

ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الشوریٰ ۳۸)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور ان کا ہر کام (جس میں بالتعین نص نہ ہو) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۴۲:۳۸)

مفسر عبدالرحمان بن زید کا کہنا ہے کہ اس آیت میں وہ انصار مدینہ مراد ہیں جو مکہ گئے تھے اور پھر نبی کریم پر ایمان لائے اور آپ نے ان پر بارہ نقیب متعین فرمائے۔

یہ حضرات ہر کام باہم مشورے سے کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی توصیف فرمائی۔

آج دنیا میں جس جس جگہ جمہوریت قائم ہے وہ اس آیت کو دلیل میں پیش کرتا ہے گویا ہمارے جمہوری بچے قرآن پر عامل ہیں۔ اور یہ باہم جو خون خرابہ کرتے ہیں وہ بھی قرآن پر عمل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین

ہدایت یافتہ لوگ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى

اللہِ لَھُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰىھُمُ اللہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر: ۱۷-۱۸)

اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں (مراد غیر اللہ کی عبادت ہے) اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ مستحق خوشخبری سنانے کے ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو اس کلامِ الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔ (۳۹: ۱۷-۱۸)

قرطبی کا بیان ہے کہ یہ آیات چند حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام۔ ان کے سامنے ابوبکرؓ نے ایمان پیش کیا اور انھوں نے قبول کیا۔

قرطبی کے بقول یہ آیات مکی زندگی میں بالکل ابتدا میں دو چار روز میں نازل ہوئیں۔ کیونکہ ابوبکرؓ کے علاوہ بقیہ حضرات نبوت کے تیسرے روز ایمان لائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس امر کی وضاحت فرما دی کہ یہ حضرات ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ اور یہ عاقل حضرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللہِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اَللہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللہِ ؕ ذٰلِکَ ھُدَی اللہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (الزمر ۲۲ - ۲۳)

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کیے ہوئے) نور پر ہے (کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں)

سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے سو ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے۔ جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کہ اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے۔ (۳۹ : ۲۲-۲۳)

نقاش کا بیان ہے کہ اس شخص مخصوص سے مراد جس کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھولا عمرؓ بن الخطاب ہیں مفسر قرطبی کا بیان ہے یہ آیت عام ہے ان لوگوں کے بارے میں جن کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا ہو۔

مفسر قرطبی کا بیان ہے اور وہ لوگ جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہوتے ہوں ان سے مراد ابولہب اور اس کی اولاد ہے۔

یہ ایک تمثیل ہے ورنہ آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہو گا جس کا دل اللہ کے ذکر سے سخت پڑتا ہو گا۔ یعنی وہ جو اللہ کا ذکر سننا نہیں چاہتا ہو۔

اللہ تعالےٰ نے یہ احسن الحدیث نازل کی۔ یعنی قرآن۔ سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ انھوں نے عرض کیا۔ کیا اچھا ہوتا اگر اللہ ہم سے باتیں کرتا تو اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیا اچھا ہوتا اگر اللہ ہم سے کوئی قصہ بیان کرتا۔ تو اللہ عزوجل نے یہ نازل فرمایا۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ اس پر صحابہ نے عرض کیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ اللہ ہمارا کوئی ذکر کرتا تو ارشاد ہوا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ۔ الآیہ (الحدید ۱۶) کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے سامنے جھک جاویں۔ (۵۷ : ۱۶)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے صحابہ کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تو جیسا اللہ تعالےٰ نے بیان کیا ہے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت اسماءؓ سے کسی نے عرض کیا آجکل تو جب لوگوں پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو کچھ لوگوں کو غش آ جاتا ہے تو انھوں نے اعوذ باللہ پڑھی۔

ابن عمرؓ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو نیچے گرا پڑا تھا۔ اور یہ شخص قاریوں میں سے تھا۔ ابن عمرؓ نے دریافت کیا یہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے اور اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا اس کے پیٹ میں شیطان داخل ہو گیا ہو گا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا طریقہ نہ تھا۔ ہم اللہ سے ڈرتے تھے لیکن ہم میں سے کوئی بے ہوش ہو کر نہ گرتا تھا۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ محمد بن سیرینؒ کے رو برو ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا کہ جن کے رو برو قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں (جیسا آج کل قوالیوں میں ہوتا ہے) انھوں نے فرمایا ایسے شخص کو مکان کی چھت پر ٹانگیں لٹکا کر بٹھایا جائے پھر شروع سے آخر تک قرآن سنایا جائے تو پھر اگر واقعتاً وہ گرتا ہے تب تو وہ سچا ہے۔

زید بن اسلم کا بیان ہے کہ حضرت ابیؓ بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو قرآن پڑھا اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ بھی تھے۔ ان حضرات کے دل پسیج گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دل پسیجنے کے وقت دعا کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ دل پسیجنا اللہ کی رحمت ہے۔

حضرت عباسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب مؤمن کی جِلد اللہ کے خوف سے کپکپانے لگے تو اس سے خطائیں اسی طرح جھڑتی ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے جھڑتے ہیں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کی جِلد اللہ کے خوف سے کپکپانے لگتی ہے تو اللہ تعالےٰ اسے دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (البقرہ۔ ۵)

پس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ (۲ : ۵)

یہ سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع کی آخری آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام کے لئے دو خوبیاں بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد عام ہے اس میں کسی خاص بشر کا حال بیان نہیں کیا گیا کہ صرف یہ چند حضرات ہدایت پر ہیں اور بقیہ گمراہی پر ہیں۔ ایک اور مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا گیا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (البقرہ - ۱۵۷)

اور یہی لوگ ہیں جن کی حقیقت حال تک رسائی ہوگئی (۲ : ۱۵۷)

ہاں یہ ضرور ذہن میں رکھئے کہ یہ ہر دو آیات سورۂ بقرہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جب یہ سورت نازل ہوئی اس وقت تک حسن و حسین وجود میں نہ آئے تھے۔ ان آیات میں حضرت علیؓ تو داخل ہو سکتے ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ یہ آیت صرف ایک دو افراد تک محدود ہے تو یہ ذہن میں رکھیں کہ حکم ربی عام ہوتا ہے اسے کسی شئے سے خاص نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ اللہ تعالےٰ اسے خاص نہ فرمادے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں" یہ کہکر اس امر کی بھی وضاحت کردی کہ اصل فلاح یافتہ یہ لوگ ہیں (بقیہ اور لوگ تو ان کے خوشہ چیں ہیں۔) یا وہ لوگ ہیں جو غیر فلاح یافتہ ہیں اور جو غیر فلاح یافتہ ہیں۔ پروردگار کی جانب سے ہدایت پر نہیں۔ گویا فلاح یافتہ لوگ دراصل صحابۂ کرام ہیں۔ قاتلین عثمانؓ نہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔ (محمد - ۱۷)

اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالےٰ ان کو اور زیادہ ہدایت کر دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔ (۴۷ : ۱۷)

جن حضرات صحابہ نے ہدایت پر عمل کیا اللہ تعالےٰ ان کی ہدایت اور تقویٰ میں اضافہ فرماتا رہتا ہے۔ یہ آیت مدنی ہے اور اس آیت کے تحت تمام مہاجرین اور

انصار صحابہ داخل ہیں۔ یعنی جو حضرات صحابہ اس ہدایت پر گامزن ہوئے ان کی ہدایت اور تقوے میں اللہ تعالےٰ زیادتی فرماتا رہے گا۔ اس آیت میں تمام مہاجرین و انصار کی تعریف بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان تمام صحابہ کی ہدایت اور تقوےٰ میں مزید اضافہ فرمائے گا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الحجرات ۴۹ : ۷-۸)

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہؐ ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے لیکن اللہ تعالےٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں اور اللہ تعالےٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۴۹ : ۷-۸)

اس امر کا خیال رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر تم باہم ایک دوسرے کی رائے پر چلیں گے تو تمہارے لئے یہ بات ایک گناہ اور مشقت کا سبب بنے گی لیکن اے صحابہ اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا۔ اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔ اور تمہارے لئے کفر، فسق اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا ہے۔ تم سب راشد (راہ راست پر) ہو۔ یہ اللہ کا ایک فضل اور بڑی نعمت ہے۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ۹ھ تک ایمان لانے والے تمام صحابہ کے دلوں میں اللہ نے کفر و فسق اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا اور یہ تمام حضرات راشد ہیں۔
جو شخص یہ تصور کرتا ہے کہ خلفاء راشدین بلکہ صرف (مخصوص) چار صحابی ہی راشد اور راہ راست پر ہیں امیر معاویہ راشد نہیں۔ وہ قرآن کا دشمن ہے۔ اس لئے کہ امیر معاویہ ۸ھ میں اسلام لائے

اور خدمت رسولؐ میں رہے اور یہ آیت ۸ھ میں نازل ہوئی۔ لہٰذا ۸ھ تک ایمان لانیوالے تمام صحابہ راشدین ہیں اور ان تمام حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے کفر و فسق اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اللہ کی نافرمانی کی تو اس قسم کی تمام روایات صرف سبائی راویوں کی خود ساختہ کہانیاں ہیں۔ جن کو اب ہم نے تاریخ اسلام کا نام دیدیا ہے۔ لہٰذا یہ ذہن میں رہے کہ ہر وہ تاریخی روایت جس میں کسی صحابی کی اہانت ہوتی ہو اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ فلاں صحابی نے اللہ کی نافرمانی کی فلاں نے فسق کیا وہ تمام روایات کالعدم ہیں۔ ان کو قبول کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم پہلے یہ تسلیم کرلیں کہ قرآن جھوٹا ہے۔ عیاذاً باللہ۔ اور سبائی ذہن ان سب اختراعات سے یہی چاہتا ہے۔

فرشتوں کا ایمان والوں کے لئے استغفار

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (المومن ۷ ـ ۹)

جو فرشتے کہ عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے اس طرح استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے سو ان لوگوں کو بخشدیجئے جنھوں نے

(شرک و کفر سے) توبہ کرلی ہے۔ اور آپ کے رستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار اور ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مؤمن) ہوں ان کو بھی داخل کر دیجئے۔ بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں! اور ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچا لیجئے۔ اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۴۰ : ۷-۹)

یعنی حاملین عرش اور ان کے قرب وجوار کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے اللہ پر ایمان رکھتے اور ان اہل ایمان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں۔ وہ عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار آپ کی رحمت اور علم بہت وسیع ہے۔ پس ان لوگوں کی مغفرت فرمائیے جو توبہ کر چکے ہیں اور تیری راہ کی اتباع کرتے ہیں اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچائیے۔

اے پروردگار ان حضرات کو ان جنتوں میں داخل فرما جن کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کے آباء، وازواج اور اولاد میں سے جن جن کی اصلاح ہو چکی ہے انھیں بھی جنت میں داخل فرما۔ اے پروردگار انھیں برائیوں سے محفوظ رکھ۔ کیونکہ جو شخص آج کے روز برائیوں سے محفوظ رہے گا اللہ تعالےٰ اس پر رحم فرمائے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ سورۃ غافر کی آیات ہیں جو تمام حضرات کے نزدیک مکی ہیں۔ اور ان میں اُن حضرات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان آیات کے نزول سے قبل ایمان سے مشرف ہو چکے، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر چکے، اور انھوں نے اللہ کی راہ کی اتباع کی، وہ فرشتے اللہ تعالےٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ انھیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ انھیں ان جنتوں میں داخل فرما جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء، ان کی اولاد اور ان کی بیویوں میں سے جن کی بھی اصلاح ہو چکی ہو انھیں بھی

جنت میں داخل فرما۔ اور انھیں برائیوں سے محفوظ رکھ۔

گویا جہاں یہ حضرات صحابہ جنت میں داخل ہوں گے وہاں ان کی اولاد ان کی بیویاں اور ان کے آباؤ اجداد بھی داخل ہوں گے مثلاً ابو بکرؓ ان کے والد ابو قحافہ اور ان کی والدہ ام الخیر ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور عبد اللہ اور ان کی بیٹیاں اسمار اور عائشہؓ ان سب حضرات کو جنت میں جانا ہے۔ بلکہ ان حضرات کے لئے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں

جب حاملین عرش کے ذمہ یہ دعا کی گئی ہے اور ان ایمان لانے والوں کے لئے وہ فرشتے روز اول سے دعا میں مشغول ہیں تو یقیناً یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے

فرشتے دنیا و آخرت میں مومنین کے اولیار

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (حم السجدہ ۳۰-۳۳)

جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اس پر) ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبر کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا اور ہم تمھارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمھارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمھارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمھارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو

(لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے
کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ (۴۱ : ۳۰-۳۳)

عطار بن ابی رباح نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئیں جب مشرکین نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ بزرگ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تو اس پر ابوبکرؓ نے جواب دیا اللہ اکیلا ہمارا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس پر وہ قائم ہوگیا۔

اس آیت کے الفاظ اگرچہ عام ہیں جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ جو حضرات اس آیت کے نزول سے قبل ایمان لائے اور اس پر مستقیم رہے ان کے لئے کوئی خوف نہ ہوگا۔ یہ لوگ جنتی ہوں گے جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کے اعمال کی جزا ہوگی۔

یہ الفاظ اس امر کا ثبوت بھی ہے کہ مرنے والے کے صرف وہی اعمال کام آئیں گے جو وہ اپنی زندگی میں کر چکا ہو۔ اور بعد میں مردے کے نام سے جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ اس کے اعمال نہیں۔ اور آخرت میں انسان کو اس کے اعمال کا اجر ملے گا۔ دوسروں کے عمل کا نہیں۔

آیات بالا میں بیان کردہ خصائل رکھنے والے حضرات پر جیسا کہ ارشاد باری ہے فرشتے نازل ہوتے ہیں، جنت کی بشارت سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں ہم تمھارے ساتھی ہیں۔ وہاں تم جو مانگو گے ملے گا اور یہ تمھاری پروردگار کی طرف سے مہمان داری ہوگی۔

اور اس سے بہتر کون ہوگا جو اللہ کی دعوت دے اور نیک عمل کرے اور اس کا اقرار کرے کہ میں مسلموں یعنی تابعداروں میں سے ہوں۔

عربی زبان میں مسلم کے معنی تابعدار کے ہیں۔ یعنی مسلم وہ ہے جو اللہ کا تابعدار ہو اور جو شخص اللہ کا تابعدار نہیں اسے مسلم نہیں کہا جائے گا وہ غیر مسلم ہے خواہ قانونی طور پر اُسے مسلم کہا جاتا ہو۔

کفار کے مقابلہ میں صحابہ کو ترجیح

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانعام۔ ۵۲)

اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں اور آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔ (۶ : ۵۲)

یہ آیت مکی ہے اور مہاجرین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ لے چند باتیں واضح طور پر فرمائی ہیں۔

۱۔ یہ لوگ (صحابہ کرام) صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں۔

۲۔ ان کی غرض و غایت اللہ ہوتی ہے۔

۳۔ اے نبی آپ پر ان کا کوئی حساب نہیں۔ اور تمھارا حساب ان کے ذمہ نہیں۔

۴۔ اے نبی اگر آپ انھیں دھکے دیں گے تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول کفار کی یہ درخواست تھی کہ (اے نبی) آپ ہماری موجودگی میں ان لوگوں کو ہمارے پاس سے ہٹا دیجئے اس صورت میں ہم آپ کی بات سننے کے لئے تیار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کوئی فیصلہ نہ فرمایا تھا کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس سے صحابہ کرام کی عظمت اور بلند مقام کا پتہ چلتا ہے۔

ان حضرات کی شب و روز عبادتِ الٰہی، خلوص اور للّٰہیت اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی کہ پروردگار نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان کو اپنی مجلس سے نہ ہٹائیں۔ اور اگر بالفرض والمحال آپ نے ایسا کیا تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ہم چھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہم چھ آدمی حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے جن میں ابن مسعودؓ اور بلالؓ بھی تھے بقیہ کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ ہم لوگوں کے بارے میں مشرکین نے کہا تھا کہ انھیں اپنے پاس سے ہٹا دیں۔ (مسلم جلد ۲ صلـ۲۸)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی اجازت نہیں کہ صحابۂ کرام کو ضرورت کے تحت بھی مجلس سے اٹھائیں۔ اور جب نبیؐ کو اس امر پر تنبیہ کی جاتی ہے تو صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کس طرح جائز ہوں گی۔ اور جو شخص اس قسم کی حرکتیں کرتا ہے اس کے ظالم ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ایسے لوگ قرآن کی رو سے ظالم ہیں اور ظالم جہنم کا مستحق ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ ان مہاجرین صحابہ کی آمد کا مقصد ریاکاری، دکھاوا اور فریب نہ تھا اور نہ اقتدار کی ہوس تھی اور نہ اپنے دائرہ حلقہ واقتدار کو بڑھانا مقصود تھا۔ بلکہ ان کی ان تمام امور سے غرض وغایت اللہ کی رضا تھی۔ فرقہ سبائیہ کے خیال میں یہ سب ریاکار تھے۔ کیونکہ ان کی اپنی زندگی کا مقصد تقیہ کے نام سے ریاکاری، دکھاوا اور فریب ہوتا ہے۔ اور انسان کو آئینہ میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کے جواب کے لئے یہ امر واضح کیا گیا کہ یہ قرآن محرف ہے اور اصلی قرآن غائب کر دیا گیا ہے جسے امام غائب قرب قیامت اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔

اللہ تعالےٰ سے بِدَا بھی ہوتا ہے۔ یعنی بھول گویا بعض اوقات خدا کو کسی واقعہ کی اس وقت تک خبر نہیں ہوتی جب تک وقوعہ ظہور پذیر نہیں ہو جاتا اسی لئے ان کی زبان میں اللہ کو خدا کہتے ہیں۔ تو گویا خدا وہ ہے جو بھولتا ہو۔ اس لحاظ سے اللہ کو خدا کہنا ایک گناہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے۔ آپ حضرات کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ کی کوئی جمع نہیں آتی جبکہ لفظ خدا کی جمع خداؤند بولا جاتا ہے۔ یعنی بیچارہ خدا بہت سے خداؤں پر تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ کبھی وہ خدائے یزداں ہوتا ہے اور کبھی خدائے اہرمن اور کبھی ناخدا بن کر کشتی کا ملاح بن جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

صحابہ کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کا حکم

ارشادِ الٰہی ہے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (الحجر ۸۸)

آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھئے (۱۵ : ۸۸)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء - ۲۱۵)

اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔ (۲۶ : ۲۱۵)

ان ہر دو آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی اپنے اوپر ایمان لانے والے ساتھیوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھئے کیونکہ وہ آپ کی نرمی اور مہربانی کے مستحق ہیں اور ان سے بے رخی اختیار نہ کیجئے۔ کیونکہ انھوں نے دنیا کی ہر نعمت کو ٹھکرا کر آپ کی بیعت اختیار کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ دنیاداروں کی ٹیپ ٹاپ دیکھ کر ان کی جانب مائل ہو جائیں۔ لہذا آپ ان صحابہ کرام کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے پیش آیئے۔

اتفاق سے یہ آیت مکی ہے اور اس آیت میں مؤمنین سے مراد اہل مکہ یعنی مہاجرین ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے سبائی منافق اور کافر کہتے ہیں جبکہ یہ وہ طبقہ ہے جسے قرآن مؤمن کہہ رہا ہے اور اپنے نبی کو حکم دے رہا ہے کہ ان صحابہ کے سامنے آپ اپنے بازو جھکا دیجئے۔ یعنی ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیجئے۔ قرآن میں صحابہ کرام کا یہ مقام دیکھ کر سبائی بچے اس قرآن کو محرف مانتے اور کہتے ہیں یہ آیات سب زید بن ثابت اور عثمانؓ نے وضع کی ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ ان حضرات نے تو اپنا قرآن عوام کے سامنے پیش کر دیا لیکن وہ قرآن جو حضرت علیؓ نے چھپا کر رکھا تھا اُسے لوگوں کی نگاہوں سے ایسا چھپا کر رکھا کہ کہیں کوئی عربی جاننے والا دیکھ کر مذاق نہ اڑائے۔ اسے امام غائب

اپنی پیدائش سے پہلے ہی نکل کر غائب ہو گئے۔ اس لئے کہ حسن عسکری کے کوئی اولاد نہیں تھی اور پانچ سال کا بچہ اتنا بڑا قبیلہ لے کر غائب بھی نہیں ہو سکتا کہ معتقدین اس کے پیچھے بھاگ رہے ہوں۔ لیکن وہ ان سبائیوں کے ہاتھ آنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اب اس کی صرف دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو یہ سبائی بچے اس عرب بچہ کو پکڑنے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ یا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اسی لئے وہ آج تک نکلنے کا نام نہیں لیتا۔

ارشاد ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف ۲۸)

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجیے جو صبح و شام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔ اور دنیاوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ (۱۸ : ۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے نبی کو صحابہؓ کرام کے پابند رہنے کا حکم دیا ہے۔ وہاں صحابہ کی اس صفت کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ صحابہ صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں۔ اور ان کی غرض و غایت صرف اللہ ہوتی ہے۔ اے نبیؐ کہیں آپ ان سے آنکھیں نہ پھیر لیں۔ ان صحابہؓ کے معاملہ میں آپ ان لوگوں کی اتباع نہ کیجیے، جو ہمارے ذکر سے غافل اور اپنی خواہشات کے بندے ہیں۔ ان لوگوں کا کام خود حد سے بڑھا ہوا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ صحابہ کرام جیسی ہستیوں کی موجودگی میں کسی اور کی جانب نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں تو ایسی صورت میں امت کے لئے بھی لازم ہو گا کہ صحابہ کرامؓ کے قول و فعل کی موجودگی میں کسی امام یا پیر وغیرہ کے قول کو اختیار نہ کریں۔

پھر بھی اس آیت میں وضاحت کر دی گئی کہ جو شخص ان صحابہ کرامؓ سے محبت نہیں کرتا

وہ خواہشات کا پجاری ہے۔ اس کا دل اللہ سے غافل ہے۔ کیونکہ اگر اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی تو وہ صحابہ کرامؓ سے بھی ضرور محبت کرتا کیونکہ اللہ کے کلام قرآن مجید اور اس کے دین کو دنیا تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہی ہیں۔ یہ انہی کا طفیل ہے کہ ہم آج اسلام کے دعویدار نظر آتے ہیں۔ اگر یہ حضرات دین کی خاطر ہمہ قسم کے مصائب برداشت نہ کرتے تو شاید ہم آج اسلام کے نام سے واقف بھی نہ ہوتے۔

یہ بھی انہیں حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ آج دنیا کے ایک ایک گوشہ میں اسلام کا نام پایا جاتا ہے۔

دشمنان صحابہؓ نے تاریخ کے نام سے صحابۂ کرام کے روشن چہرے کو غبار آلود کرنا چاہا اور ان حضرات کو بدنام کرنے کے لئے اپنے اور غیروں نے لاکھوں ہتھکنڈے کھیلے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں قیامت تک کے لئے ان کے کردار کو ایسا محفوظ فرمادیا ہے کہ کوئی لاکھ اپنا سر پھوڑے ان کا یہ کردار اس وقت تک داغدار نہ ہوگا جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے۔

دشمنانِ صحابہؓ کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

(۱) یا تو قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے ہر اس تاریخی واقعہ کو گٹر میں پھینک دیں جس سے صحابہ کرام کی شان و عزت پر حرف آتا ہو یا (۲) قرآن کے تسلیم کرنے سے برملا انکار کردیں۔ اتفاق سے سبائیوں نے یہ دوسری راہ اختیار کی۔ اور ان کے بقول آج تک روئے زمین پر صرف چار افراد ایسے گزرے ہیں جنھوں نے قرآن کو محرف نہیں مانا۔ اس کی تشریح ہماری کتاب "کیا ہمارا قرآن ایک ہے" میں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ یاد رہے کہ موجودہ دور میں جسے تاریخ اسلام کہا جاتا ہے اس کے لکھنے والے زیادہ تر خالص شیعہ ہیں اسے تاریخ اسلام کہنا ہی غلط ہے بلکہ اسے تاریخ شیعہ تو کہا جا سکتا ہے جو بنو عباس کے دور میں طبری، واقدی، مسعودی اور ابن اسحاق جیسے رافضیوں نے تیار کی ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الانعام۔۵۴)

اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہدیجئے کہ تم پر سلامتی ہے۔ تمھارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی بُرا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو اللہ تعالےٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔ (۶ : ۵۴)

۱۔ اس آیت کریمہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و رفعت بیان کی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ اُنھیں سلام کریں یعنی ان کے لئے سلامتی کی دعا کریں۔

۲۔ اس آیت کریمہ میں رحمت کا بھی اعلان کیا گیا کہ اگر ان صحابہ سے جہالت کے باعث کوئی غلطی سرزد ہوجائے اور اپنی لاعلمی کا احساس ہوتے ہی وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔

۳۔ اس آیت میں یہ بھی اقرار کیا گیا ہے کہ یہ مہاجرین صحابہ کسی غلطی کو غلط تصور کرتے ہوئے اس کام کا ارتکاب نہیں کرسکتے۔ لہذا ایسے لوگوں کی قدردانی اور دلجوئی لازمی ہے۔

۴۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے رحمت اپنے ذمے لکھ لی ہے۔ اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والا ہے۔

لفظ جہالت استعمال کرکے اللہ تعالےٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ صحابہ کرامؓ ناواقفیت کے باعث غلطی کے مرتکب ہوسکتے ہیں لیکن عمداً کسی شئے کو گناہ جانتے ہوئے اس کا ارتکاب نہیں کرسکتے۔ لہذا ایسے لوگوں کی قدردانی اور دلجوئی کرنی ضروری ہے۔

ان کے لئے اللہ کی طرف سے معافی کا اعلانِ عام ہے۔ اور اے نبیؐ آپ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ انھیں سلام کیا کریں (کیونکہ سلام بھی ایک دعا ہے) آپ کا یہ سلام کرنا ان کے لئے خوشی کا سبب ہو گا۔

امام بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

امرہ بان یبدا ابا تسلیم — نبی کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کو ابتداءً سلام کریں

او یبلغ سلام اللہ تعالےٰ علیھم اجمعین — یا ان تک اللہ کا سلام پہنچا دیں۔

یعنی اے نبی آپ ان کو پہلے سلام کریں یا ان تک اللہ کا سلام پہنچا دیں۔ ہر دو صورتوں میں صحابہ کرامؓ کے لئے احترام کی انتہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (الشعراء ۲۱۴-۲۱۵)

اور (اس مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرایئے

اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانا) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں

داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔ (۲۶ : ۲۱۴-۲۱۵)

اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قریش کو جمع کیا۔ جب وہ سب جمع ہو گئے عام و خاص تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی کعب بن لوی اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی مرۃ بن کعب اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد شمس اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی ہاشم اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اے فاطمہ اپنے نفس کو آگ سے بچالے۔ میں اللہ کی جانب سے تم لوگوں کے لئے کسی شئے کا مالک نہیں۔ ہاں جس سے رحم کا تعلق ہے تو میں اسے کچھ دنیاوی فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔

اس آیت اور حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نسب قریبی ہو یا دور کا ہو وہ بندے کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کام تو اے نبی یہ آئے گا کہ جو مؤمنین آپ کی اتباع کر رہے ہیں آپ ان کے ساتھ نرم پڑ جایئے۔

اس حدیث اور آیت سے ثابت ہوا کہ ہماری اردو زبان میں قرب اور ہے اور عربی زبان میں اور۔ عربی زبان میں قریش کی جتنی شاخیں ہیں مثلاً بنو کعب بن لویؓ غیرہ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقرب ہیں۔ لوی حضورؐ کی دسویں پشت میں ہے لیکن حضورؐ نے اسے اقرب فرمایا اور اسی کعب بن لوی کی اولاد سے حضرت عمرؓ ہیں۔ جب حضرت عمرؓ اقرب ہوئے تو بنو امیہ تو بہت ہی قریب ہوئے یعنی اقرب الاقرب۔ ایسی صورت میں بنو امیہ کو حضورؐ سے جدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس قبیلہ کے افراد کو کاٹ دو۔ حالانکہ حضورؐ نے ان سب کو دعوت دی اور ان کو اقرب فرمایا ہے۔

عمرو بن ام مکتوم

ایک نابینا صحابی حضرت عمروؓ بن ام مکتوم کا واقعہ کتب تفسیر میں مشہور ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سردارانِ قریش کو وعظ و تبلیغ فرما رہے تھے۔ اتنے میں عمروؓ بن ام مکتوم تشریف لے آئے۔ انھوں نے کچھ پوچھنا چاہا اور آپ کی توجہ اپنی جانب کرانی چاہی یہ بات آپ کو ناگوار گزری۔ اور آپ کی جبیں مبارک پر شکن پڑ گئی تو سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ (عبس ۱ – ۱۱)

(پیغمبر) چیں بر جبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید (نابینا آپ کی تعلیم سے پورے طور پر)

سنور جاتا یا (کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہونچاتا تو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے۔ قرآن محض ایک نصیحت کی چیز ہے۔ (۸۰ : ۱-۱۱)

حضرت عمروؓ بن ام مکتوم کے لئے اللہ تعالےٰ نے لفظ یسعیٰ استعمال کیا جو تیز چلنے اور دوڑنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی عمروؓ بن ام مکتوم نابینا ہونے کے باوجود تلاش حق میں دوڑتے ہوئے آئے۔ آگے لفظ یخشیٰ لائے یعنی ڈرتے ہوئے۔ اس لفظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

۱۔ تیز چلتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ کہیں ٹھوکر لگ کر گر نہ جائیں۔

۲۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے تیز تیز آئے یعنی وہ اہلِ مجلس کی طرح اللہ سے بے خوف نہ تھے جن کا مقصد صرف دین کا استہزا تھا۔ ان کا ڈر تو اللہ کے خوف سے معمور تھا۔

یہ نابینا صحابی کتنے خوش نصیب تھے جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔ یہ مقام بڑے بڑے رئیسوں اور صاحب اقتدار کو حاصل نہیں کہ قیامت تک اللہ تعالےٰ نے عمروؓ بن ام مکتوم کا ذکر قرآن میں رقم کردیا کہ جب تک کلام اللہ کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ اس نابینا کا ذکر قرآن میں ہوتا رہے گا۔

امام مالکؒ نے ہشام بن عروہ کے ذریعہ ان کے والد عروہؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات ابن مکتوم کے بارے میں نازل ہوئیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ذرا میری طرف متوجہ ہوجیے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سرداران مکہ حاضر تھے جس کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کی جانب سے اعراض کرنے لگے اور دوسرے کی جانب متوجہ ہوکر کہتے اسے ہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں کچھ حرج ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا میں ان تصویروں کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں کچھ حرج ہے ؟ اس پر اللہ تعالےٰ نے عبس و تولیٰ نازل فرمائی۔

ترمذی نے ہشام بن عروہ عن ابیہ کی سند سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ عبس و تولیٰ ابن ام مکتومؓ الاعمیٰ کے سلسلہ میں نازل ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کرنے لگے یارسول اللہ مجھے ہدایت کیجیے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مشرکین کے سرداروں میں سے ایک شخص بیٹھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کرنے لگے اور اس کافر کی جانب متوجہ ہونے لگے اور اس سے فرمانے لگے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں کیا اس میں کچھ برائی ہے؟ وہ جواب دیتا نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

ابن مکتوم کی جانب سے جو اعراض کیا گیا اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں اس پر عتاب نازل کیا۔ ابن ام مکتومؓ کا نام اکثر علماء کے نزدیک عبد اللہ ہے۔ بعض حضرات ان کا نام عمرو بیان کرتے ہیں۔

ان کی والدہ جو ام مکتوم کہلاتی تھیں ان کا نام عاتکہ بنت عامر بن مخزوم ہے اور عمرو کے باپ کا نام قیس بن زائدہ بن الاصم ہے یہ حضرت خدیجہؓ کے ماموں کے لڑکے ہیں۔

مکہ کا وہ سردار جو اس وقت حضورؐ کے پاس بیٹھا تھا تو کہا یہ جاتا ہے کہ وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ ابن العربی کا بیان ہے کہ ہمارے علماء مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو ابو عبد شمس کہا جاتا تھا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ یہ شخص امیہ بن خلف تھا اور قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص ابی بن خلف تھا۔ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ وہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ وہ تین اشخاص تھے۔ عتبہ۔ شیبہ اور ابو جہل۔

اس واقعہ سے یہ امر ثابت ہوا کہ ایک ایسے شخص کی خاطر جو ابھی اسلام نہ لایا ہو خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اس شخص کو نہیں چھوڑا جا سکتا جس کے ایمان میں کوئی شک نہ ہو خواہ وہ نابینا ہو۔

جبر کے باوجود ایمان پر قلب کا مطمئن رہنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ (النحل - ۱۰۶)

جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جاوے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو۔ (۱۶ : ۱۰۶)

مورخ کلبی (رافضی) کا بیان ہے کہ یہ آیت ان اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن حنظل اور قیس بن الولید بن مغیرہ۔

لیکن دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت عمارؓ بن یاسر کے بارے میں نازل ہوئی جن کا واقعہ ابن عباسؓ نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ مشرکین مکہ نے حضرت عمارؓ ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہؓ، صہیبؓ، بلالؓ، خبابؓ اور سالمؓ کو پکڑ کر انھیں سزا دینی شروع کی اور سمیہؓ کو دو اونٹوں کے پاؤں سے باندھ دیا گیا اور ان کی شرمگاہ میں نیزہ داخل کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تو تو ان افراد کے باعث ایمان لائی۔ پھر انھیں شہید کیا گیا اور ان کے بعد ان کے خاوند یاسرؓ کو بھی شہید کیا گیا۔

یہ دونوں حضرات اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

لیکن ان کفار نے عمارؓ کو اس وقت چھوڑا جب انھوں نے ان امور کا زبانی اقرار کر لیا جو کفار ان سے کہلانا چاہتے تھے۔ حضرت عمارؓ نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی۔

آپ نے ان سے سوال فرمایا یہ امور کہتے وقت تیرا دل کیا کہہ رہا تھا؟

انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ دوبارہ بھی تمھارے ساتھ ایسا سلوک کریں تو تم یہی طریقہ اختیار کرنا۔

منصور بن المعتمر نے امام مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شہیدہ عمارؓ کی والدہ (سمیہؓ) ہیں جنھیں ابوجہل نے شہید کیا۔ اور مردوں میں سب اول شہید مہجع حضرت عمرؓ کے غلام ہیں۔

منصور نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے والے سات افراد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیقؓ، بلالؓ، خبابؓ صہیبؓ، عمارؓ اور عمار کی والدہ سمیہؓ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب نے بچالیا۔ ابوبکرؓ کو ان کے اہل قبیلہ نے بچالیا لیکن دیگر حضرات کو مشرکین مکہ نے پکڑا اور انھیں لوہے کی زرہیں پہنائیں۔ پھر انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیا یعنی کہ انھیں گرمی اور لوہے کی تپش نے گھیر لیا۔ جب شام ہوئی تو ان کے پاس ابوجہل آیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے آکر انھیں برا بھلا کہا۔ پھر سمیہؓ کے پاس پہنچا۔ انھیں گالیاں دیں اور اپنا نیزہ ان کی شرمگاہ میں داخل کرکے ان کے منہ سے نکالا۔

مجاہد کہتے ہیں اس نے سمیہؓ کے علاوہ اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ لیکن بلالؓ کی توہین شروع کردی۔ اور لوگوں نے بھی آکر انھیں عذاب دینا شروع کیا۔ یہ لوگ ان سے کہتے جاتے کہ اپنے اس دین کو چھوڑ دو اور وہ جواب میں احد احد کہتے۔ انھوں نے بلالؓ کو مارا پھر ان کے مونڈھے باندھے اور ان کے گلے میں کھجور کے پتوں کی ایک رسی ڈالی۔ پھر انھیں لڑکوں کے حوالہ کردیا جو انھیں مکہ کے دونوں پہاڑوں (ابوقبیس اور احمر) میں لئے پھرتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے خود تھک کر بلالؓ کو چھوڑ دیا۔

مؤمن کے لئے اللہ کی محبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (مریم - ۹۶)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔ (۱۹ : ۹۶)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل انجام دیئے تو عنقریب اللہ تعالےٰ ان کی محبت پیدا فرمائے گا۔ (یعنی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرمادیگا)

ترمذی نے حضرت سعدؓ اور ابو ہریرۃؓ سے نقل کیاہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے محبت فرماتاہے تو جبرئیلؑ کو آواز دیتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔ یہ سن کر جبرئیلؑ آسمان میں اس کی ندا کرتے ہیں۔ نتیجتاً یہ محبت اہل زمین پر اترتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "سیجعل ھم الرحمان ودا۔" اور جب اللہ تعالےٰ کسی کو ناپسند فرماتاہے تو جبرئیل کو آواز دیتاہے کہ میں فلاں شخص کو ناپسند کرتا ہوں تو جبرئیلؑ آسمان میں ندا کرتے ہیں تو نتیجتاً یہ ناپسندیدگی زمین پر اترتی ہے اور لوگوں میں اس شخص سے ناپسندیدگی پیدا ہوتی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی مضمون کی روایت بخاری و مسلم نے اور امام مالک نے مؤطا میں بھی نقل کی ہے۔

جب ایک انسان دنیا میں محبوب بنتا ہے تو وہ آخرت میں بھی محبوب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی مؤمن متقی کے علاوہ محبت نہیں فرماتا۔ یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس کے کرم سے ہم رحمٰن کی نظروں میں بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

یہ سورۂ مریم کی ایک آیت ہے جو مہاجرین حبشہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں مثلاً جعفرؓ، ام حبیبہؓ اور وہ دیگر حضرات جنھوں نے یہ ہجرت نہیں کی تھی مثلاً ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اللہ تعالےٰ ان سب کی محبت پیدا فرمائے گا۔ یعنی یہ تمام صحابہ لوگوں کے محبوب ہیں۔ اور ان کے دشمن آج تک ذلیل و خوار ہیں۔

خشیّت الٰہی اور اس کا انعام

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (المؤمنون ۵۷ ـ ۶۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔ (۲۳ : ۵۷ ـ ۶۰)

ترمذی نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ یا رسول اللہ یہ لوگ کیا شرابیں پیتے تھے اور چوری کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی لیکن یہ لوگ روزہ رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے اور صدقہ کرتے تھے لیکن اس امر سے ڈرتے تھے شاید اللہ ہمارے اعمال قبول نہ فرمائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (المؤمنون ۶۱)

یہ نیک کاموں میں جلدی کرتے اور انہی کی طرف دوڑتے ہیں۔ (۲۳ : ۶۱)

یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے اور یہی لوگ سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔

یہ سورہ مؤمنون کی ان آیات میں سے ہیں جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں گویا یہ ان مہاجرین صحابہ کی مدح ہو رہی ہے جو مکہ میں مشرف با سلام ہو چکے تھے۔ اللہ تعالےٰ اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ مہاجرین صحابہ نیک کاموں میں جلدی کرتے بلکہ اس میں مسابقت کرتے ہیں۔ اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے، جو چیزیں انھیں دی گئی ہیں ان پر ان کے دل دہلتے ہیں کہ انھیں اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ مبادا ان امور پر سوالات ہونے لگیں تو دراصل یہ نیک کاموں میں جلدی کرنے والے ہیں۔

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ مہاجرین مکہ ان صفات سے متصف ہیں۔ جو

لوگ مہاجرین مکہ کو منافق سمجھتے اور کہتے ہیں۔ دراصل وہ خود منافق ہیں اور اپنی منافقت کا الزام صحابہ پر قائم کر رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ
وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ (الشوریٰ ۱۸)

اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ (۴۲ : ۱۸)

اہلِ ایمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ قیامت سے ڈرتے ہیں۔ اور خوب جانتے ہیں کہ قیامت حق ہے۔ یعنی اہلِ ایمان کو اس بات کا خوف رہتا ہے کہ نہ معلوم کس بات پر اللہ کے یہاں پکڑ ہو جائے۔ اور یہ مومنین اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے۔

اس آیت میں لفظ اٰمَنُوْا ماضی کا صیغہ ہے جو اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ صورتِ حال ان حضرات صحابہ کی بیان کی جا رہی ہے جو سابقہ دور میں ایمان لا چکے ہیں۔ اور یہ صورتِ حال خود اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ سابقین اسلام جو سورۃ شوریٰ کے نزول سے قبل ایمان لائے ہیں یہ ان کی صورتِ حال بیان کی جا رہی ہے کہ یہ اہلِ ایمان قیامت سے ڈرتے اور اس بات کو جانتے ہیں کہ قیامت حق ہے۔ اور یہ سورت مکہ کی آخری سورتوں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ
ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ
مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ (الطلاق ۱۰-۱۱)

تو اے سمجھدارو جو کہ ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا اور وہ نصیحت نامہ دیکر) ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف

احکام پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے (ایمان و علم و عمل کے) نور کی طرف لے آویں اور (آگے ایمان وغیرہ طاعت پر وعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کرے گا اللہ اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشک اللہ نے (ان کو بہت) اچھی روزی دی۔ (۶۵ : ۱۰-۱۱)

اے عاقلو اللہ سے ڈرو۔ عاقل وہ لوگ ہیں جو اس قرآن پر ایمان لائے۔ جو اللہ نے ان کی جانب نازل کیا ہے۔ اور ایک رسول بھی بھیجا ہے جو اللہ کی واضح آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے تاکہ اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو ظلمت سے نکال کر نور کی جانب لایا جائے۔ اور جو شخص بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو تو اللہ اُسے جنت میں داخل فرمائیگا۔ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے عمدہ رزق تیار کر رکھا ہے۔

یہ سورۂ طلاق کی آیات ہیں۔ اور سورۂ طلاق مدنی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں ان صحابہ کی عظمت بیان کی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات صحابہ کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن میں یہ حضرات ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے ان حضرات کے لئے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کی متعدد صفات بیان کی ہیں۔

۱۔ یہ صاحب عقل لوگ ہیں۔

۲۔ صاحب عقل وہ ہیں جو اللہ کے نازل کردہ قرآن پر ایمان لائیں۔

۳۔ ہمیشہ نیک عمل کرتے رہیں۔

۴۔ اللہ نے ان حضرات کے لئے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔

۵۔ اللہ انھیں ان جنتوں میں داخل فرمائیگا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۶) ان حضرات میں مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی۔

ظلم سہنے والوں کا اجر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(المؤمنون ۱۰۹ - ۱۱۱)

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو (ہم سے) عرض کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا اور یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ ان کے مشغلے نے تم کو ہماری یاد بھی بھلادی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔ (۲۳ : ۱۰۹ - ۱۱۱)

امام مجاہد کا قول ہے کہ یہ حضرات بلالؓ، خبابؓ، صہیبؓ اور فلاں فلاں کمزور لوگ تھے جن کا ابوجہل اور ان کے ساتھیوں نے مذاق بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں روزِ جزا ان کے اس صبر کی جزا دیں گے۔ اور دراصل یہی لوگ کامیاب ہیں۔

مجاہد نے جن حضرات کا ذکر کیا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین میں داخل ہیں۔ دراصل مجاہد ان کمزور مہاجرین کا ذکر فرما رہے ہیں جن کا ابوجہل اور ان کے ساتھیوں نے مذاق بنا رکھا تھا۔

سجدہ گذاروں پر اللہ کی نظر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (الشعراء ۲۱۷ - ۲۲۰)

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کے لئے)

کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخواست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (۲۶: ۲۱۸-۲۲۰)

ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔

مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ آپ جو نمازیں پڑھتے ہیں اسے اللہ دیکھتا ہے۔

عکرمہ کا بیان ہے وہ کہتے ہیں جب آپ رکوع کرتے، قیام کرتے اور سجدہ کرتے ہیں۔

(ابن عباسؓ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے) تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے۔

کلبی کذاب نے تفسیر ابن عباسؓ میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ اپنے آبا کی پشت میں تبدیل ہو رہے تھے اسے بھی دیکھ رہا تھا مثلاً آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ حتیٰ کہ آپ کو نبی بنا کر ظاہر کر دیا۔

حتیٰ کہ ہمارے موجودہ اہل سنت علماء نے اسی باعث حضورؐ کے آباؤ اجداد کو مسلمان بیان کیا ہے اور اسی لئے ہمارے اسکولوں کی کتابوں میں آپ حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالب اور حضرت عبدالمطلب پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کافر مرے ہیں۔ اور ہاشم کا باپ عبدمناف ان لوگوں کے نزدیک موحد انسان کے تھا لیکن اس کا نام خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مناف بُت کا پجاری اور اس کا بندہ ہے۔ اسی طرح ابوطالب کا نام عبدمناف ہے وہ بھی مناف بُت کا پجاری ہے۔

یاد رکھئے وہ تمام اشخاص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انتقال کر گئے سوائے زید بن عمرو، ورقہ بن نوفل اور تین چار مشہور اشخاص کے علاوہ سب کافر مرے ہیں۔ حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ اپنی فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ یہ ماننا بھی ایمان کا ایک جز ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کافر مرے اور جہنم میں گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اس امر کی وضاحت فرمائی کہ اے نبیؐ آپ کا یہ قیام اور سجدوں میں تبدیلیِ حالت کی یہ کیفیت اکیلے اور تنہا نہیں ہوتی بلکہ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بھی ہوتی ہے جو اللہ کی نظروں میں ساجدین ہیں۔

علیین کیسا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ
فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (التطفیف ۔ ۱۸ ۔ ۲۸)

ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامہ عمل علیین میں رہے گا اور (آگے تفہیم کے لئے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامہ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں۔ آگے ان کی جزائے آخرت کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا اور ان کے پینے کے لئے شراب خالص سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی) کی ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پیئیں گے۔ (۸۳ : ۱۸ ۔ ۲۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ضحاک کا کہنا ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اگرچہ ابن عباسؓ اور قتادہ کا بیان ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ لیکن اس سورت کا انداز بیان اور اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں مکی ہوں۔ گویا اس سورت میں ان صحابہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور مکی زندگی کے مصائب اسلام کی خاطر برداشت کئے ان حضرات کو کیا کیا نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ یہی حضرات مقربین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ابرار قرار دیا ہے۔ اس میں تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں۔ اور اگر یہ سورت مدنی ہے

تو ان آیات میں ہزارہا انصار بھی داخل ہونگے۔

مومنین کے لئے سلامتی کا نزول

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ (النمل ۵۹)

آپ (بیان توحید کے لئے بطور خطبہ کے) کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔ (۲۷ : ۵۹)

کلبی کذاب کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ حضرات ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت اور معرفت عطا فرمائی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ ہیں۔ بلکہ صحابہ میں بھی صرف وہ صحابہ مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور اللہ کی بندگی میں اس مقام پر پہنچے کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی بندگی کے لئے منتخب فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اس امر کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی حمد کریں۔ وہاں یہ بھی حکم دیا گیا کہ ایسے برگزیدہ بندوں پر سلامتی بھی بھیجتے رہیں۔ اس آیت میں تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں۔

ایمان والوں کی صفات

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ یُّضٰعَفْ
لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ۖ اِلَّا مَنْ
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِیْنَ لَا
یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ
اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝
وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ
اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ
بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ
حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ (الفرقان ۔ ۶۳ ۔ ۷۶)

اور (حضرت) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات چیت کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے بیشک وہ جہنم برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے (تو یہ ان کی حالت طاعت بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالٰے کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالٰے نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ

پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کر لے اور ایمان بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو (ان احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین و طاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ (۲۵: ۶۳-۷۶)

ان آیات کریمہ میں صحابہ کرام کی زندگیوں کا نقشہ مختصر طور پر کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے:

۱۔ سب سے اولین خوبی یہ ہے کہ یہ رحمان کے بندے ہیں۔

۲۔ جب زمین پر چلتے ہیں تو نرمی سے پاؤں رکھتے ہیں۔

۳۔ اگر دین سے جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ الجھنے کے بجائے وہاں سے نرمی سے گزر جاتے ہیں۔

۴۔ یہ رات بھر اللہ کو سجدے کرتے اور اس کے حکم پر قیام کرتے ہیں۔ یعنی یہ شب بیدار لوگ ہیں۔

۵۔ یہ رات بھر یہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم سے عذاب جہنم کو دور فرما۔
کیونکہ جہنم بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

۶۔ یہ حضرات جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو نہ تو بخل سے کام لیتے ہیں
اور نہ فضول خرچی کرتے ہیں۔ بلکہ یہ حضرات درمیانی راہ چلتے ہیں۔

۷۔ یہ حضرات اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں پکارتے (نہ مولا علی کو نہ حضرت حسین کو)

۸۔ کسی ایسے انسان کو قتل نہیں کرتے کہ جن کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے۔

۹۔ ہاں اگر کسی کو قتل کرتے ہیں تو اسے حق کے ساتھ قتل کرتے ہیں۔

۱۰۔ یہ حضرات زنا (یا متعہ) نہیں کرتے۔ کیونکہ جو ایسی حرکت کرتا ہے وہ جہنم میں
جائے گا۔ اور اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ البتہ جو لوگ
اس گناہ سے تائب ہو جائیں۔ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اللہ تعالےٰ
ان لوگوں کی برائیوں کو اچھائیوں میں تبدیل فرما دے گا۔

۱۱۔ یہ حضرات جھوٹی بات کے گواہ نہیں بنتے۔

۱۲۔ جب ان کا کسی خلاف شرع بات پر سے گزر ہوتا ہے تو وہاں سے شرافت سے
گزر جاتے ہیں۔

۱۳۔ جب ان کے روبرو آیات اللہ تلاوت کی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے بن کر
نہیں گرتے۔ (جیسے موجودہ دور کے لوگ)

۱۴۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ہر وقت یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں
ہماری ازواج اور اولاد ایسی عطا فرما جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہوں
اور ہمیں متقین کا امام بنا دیجئے

۱۵۔ ان لوگوں کو دنیا میں صبر کے باعث جنت میں بالاخانے ملیں گے۔

۱۶۔ اور ہر جانب سے انھیں مبارک باد دی جائے گی اور انھیں سلام کیا جائے گا۔

۱۷۔ یہ صحابہ کرام ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جو بہت عمدہ مقام ہے۔

یہ سورۂ فرقان کی آیات ہیں۔ مکی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی اتنی بڑی عظمت کسی اور جگہ بیان نہیں کی۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ اللہ کے بندوں اور شیطان کے بندوں میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جو ان صفات سے متصف نہ ہوں گے۔ وہ شیطان کے پجاری ہیں۔ انھیں عباد الرحمٰن کے بجائے عباد الشیطان کہا جائے تو بجا ہے لہٰذا جن حضرات میں یہ صفات نہیں وہ عباد الرحمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ اور چونکہ اس سورت کا نام "الفرقان" ہے یہ حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ اس نے حق گو اور حق پرست جماعت کا نقشہ کھینچ کر یہ بتا دیا کہ جو لوگ ان صفات کے تارک ہوں وہ اللہ کے بندے نہیں بلکہ وہ شیطان کے بندے اور اس کے پجاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے۔ یہ بھی ساتھ ساتھ یاد رکھئے کہ جو لوگ ان حضرات کے دشمن ہوں قرآن کی زبان میں انھیں عباد الشیطان کہا جائے گا اور یہ سب حضرات مکی ہیں۔ اسی مناسبت سے انھیں مہاجرین کہا جاتا ہے۔

ان آیات کو پیش نظر رکھ کر یہ بھی خود غور فرمالیں کہ جو شخص ان مہاجرین سے دشمنی رکھتا ہوگا۔ اس کا انجام کیا ہوگا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (النمل ۲-۳)

یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور مژدہ سنانے والی ہیں جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے) ۲۷ : ۲-۳

یہ سورہ نمل کی ابتدائی آیات ہیں جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں مومنین صحابہ کو بشارت دی گئی ہے جو ان آیات کے نزول سے قبل نمازیں پڑھتے رہے۔ زکوٰۃ دیتے رہے اور آخرت پر یقین رکھتے رہے ان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ گویا کہ وہ تمام مہاجرین مکہ جو ان آیات کے نزول سے قبل ایمان لا چکے وہ سب مومن ہیں اور سب آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

شرک سے پاک عمل :

حق تعالٰے کا ارشاد ہے ۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؏ (الکہف ۱۱۰)

سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (۱۸ : ۱۱۰)

امام مجاہد کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں صدقہ بھی کرتا ہوں صلہ رحمی بھی کرتا رہتا ہوں یہ تمام کام اللہ کے لئے انجام دیتا ہوں ۔ لیکن جب اللہ تعالٰے اس امر کا ذکر کرتا اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے تو مجھے اس پر مسرت بھی ہوتی ہے اور تعجب بھی ہوتا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

اس آیت سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرے۔ اللہ تعالٰے کے نزدیک صرف وہ عمل مقبول ہے کہ جس میں اللہ کے علاوہ کوئی اور شریک نہ ہو۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب کسی عبادت میں اللہ کے علاوہ کوئی اور شریک ہوگا تو اللہ تعالٰے کے یہاں وہ عبادت قبول نہ ہوگی بلکہ اسے عبادت الٰہی کا نام دینا بھی ایک جرم ہے ۔ مثلاً پیران پیر کی نیاز۔ شیخ سدو کا بکرا۔ رجب کے کونڈے وغیرہ۔

اعمال کی اصلاح کے لئے توبہ :

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے ۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؏ (النحل ۱۱۹)

پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے

بعد توبہ کرلی اور (آئندہ کے لئے) اپنے اعمال درست کرلئے تو آپ کا رب اس کے
بعد بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ (۱۶ : ۱۱۹)
یعنی جو حضرات غلطی سے کوئی برائی کر بیٹھیں لیکن اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو آپ کا پروردگار بڑی مغفرت فرمانے والا ہے۔

یہ سورہ نحل کی آیت ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ یعنی جو شخص بھی جہالت میں مبتلا ہوکر کفر و شرک کرتا رہا لیکن بعد میں اس نے توبہ کرلی اور نیک عمل کئے، تو آپ کا پروردگار ضرور مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ ایک اصول شرعی ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔ پس جو شخص بھی کفر کی جہالت سے باہر نکل کر توبہ کرے گا۔ اور اپنی اصلاح کرے گا۔ تو آپ کا پروردگا غفور رحیم ہے یقیناً اس کی مغفرت بھی فرمائے گا اور رحم بھی کرے گا۔ یعنی جو مؤمنین پہلے کفر کی گھاٹیوں میں پڑے ہوئے تھے لیکن انھوں نے بعد میں ایمان قبول کیا تو ان کی اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائیگا۔

اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ تمام مہاجرین اولاً کافر اور مشرک تھے۔ پھر انھوں نے ایمان قبول کیا اور توبہ کرکے اپنی اصلاح کی۔ جب یہ تمام منزلیں انھوں نے طے کرلیں تو آپ کا پروردگار بھی غفور رحیم ہے۔

مؤمن کا لغو باتوں سے اعراض :

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ۝ (القصص ۵۲-۵۵)

اور جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (ان میں جو منصف ہیں) وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا ہے اور) ہم تو اس کے آگے سے پہلے بھی مانتے تھے ان لوگوں کو ان کی پختگی کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا اور وہ لوگ نیکی (اور تحمل) سے بدی (اور ایذا) کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہدیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا کیا ہمارے سامنے آوے گا اور تمھارا کیا تمھارے سامنے آوے گا ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔ (۲۸ : ۵۲ ـ ۵۵)

ان آیاتِ کریمہ میں ان حضرات صحابہ کرام کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو پہلے پہل مذہب نصرانیت یا مذہب یہودیت سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں وہ اسلام سے مشرف ہوئے اور اس طرح دوہرے اجر کے مستحق قرار پائے جیسے ورقہ بن نوفل کہ پہلے نصرانی تھے اور بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ان حضرات کو دوہرا اجر ملے گا۔

ہمارے مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد صحابہ کے نام گنائے ہیں۔ مثلاً عبدؓ اللہ بن سلام، سلمانؓ وغیرہ تو یہ حضرات ہجرت مدینہ کے ایک عرصہ بعد ایمان لائے۔ اور یہ آیات مکی ہیں۔ لہٰذا ان آیات میں ایک کلیہ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جب کلیہ بیان کیا جائے تو اس کے تحت اس وقت کچھ افراد بھی داخل ہوں۔ یہ زبردستی داخل کیے ہوئے افراد کسی ایسی آیت کے تحت ہرگز داخل نہیں ہو سکتے جو مکی ہو۔ ہمارے مفسرین نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ یہودیوں اور شیعوں کی ایک بکواس ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے نقل کیا ہے کہ تین اشخاص ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا۔ وہ شخص جو اہل کتاب ہو اور اپنے نبی پر ایمان رکھتا ہو پھر وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے اور پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کرے تو ایسے شخص کو دوہرا اجر ملے گا۔ اسی طرح سے وہ غلام جس نے اللہ کا بھی حق ادا کیا اور مالک کا بھی حق ادا کیا۔ اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔ اسی طرح وہ باندی جسے مالک اچھی غذا دے اور اچھی طرح اس کی تربیت کرے پھر اسے آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے۔ تو اسے بھی دوہرا اجر ملے گا۔

فلاح کا راستہ

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ ۝ (القصص ۶۷)

البتہ جو شخص (کفر اور شرک سے دنیا میں) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (۲۸ : ۶۷)

جو شخص بھی کفر و شرک سے توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگ کامیاب لوگوں میں سے ہیں۔

اس آیت میں لفظ 'اٰمَنَ' اور 'عَمِلَ' دونوں ماضی کے صیغے ہیں جس کا تعلق گذرے ہوئے زمانہ سے ہوتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اس آیت کے نزول سے قبل ایمان لا چکے اور نیک عمل کرتے رہے تو یہ لوگ کامیاب لوگوں میں سے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس سورت کے نزول سے قبل بھی کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے اور نیک عمل کر چکے تھے جن کے سلسلہ میں بشارت دی جارہی ہے کہ یہ کامیاب حضرات میں داخل ہیں۔ اور یہ سورت مکی ہے۔ گویا کہ اس سورت میں ان صحابہ کی عظمت بیان کی جارہی ہے جو مکہ میں ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اور جن کا ذکر بارہا کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (لقمٰن ۱-۵)

الم۔ یہ آئتیں ہیں اس پُر حکمت کتاب کی جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کے لئے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۳۱ : ۱-۵)

یہ آیات قرآنیہ نیکی کرنے والوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور رحمت ہیں۔ اور یہ نیکی کرنے والے وہ حضرات ہیں جو نمازیں قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں اس امر کی وضاحت فرما دی ہے کہ یہ مہاجرین مکہ اللہ کی جانب سے ہدایت پر قائم ہیں۔ اور یہ نیک لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کذب بیانی اور دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا۔ لہٰذا ان آیات کے مطابق یہی لوگ اللہ کے یہاں کامیاب ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التغابن ۹)

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ تعالےٰ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے

یہ سورۃ التغابن کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ سورۃ التغابن مکی ہے یا مدنی لیکن ابنِ عباس کا قول ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن آخر کی چند آیات ہیں جو مدینہ میں عوف بن مالک اشجعی کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو حضرات صحابہ مکی زندگی میں ایمان لائے اور نیک عمل کئے انھیں جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کی برائیوں کو دور کیا جائے گا۔ اور یہ ان حضرات کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ وعدہ فرما رہا ہے کہ ان صحابہ میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گی تو ہم اس کا کفارہ ادا کر دیں گے اور انھیں جنتوں میں داخل کریں گے جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن موجودہ دور کے کچھ لوگ کسی صحابی کی غلطی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں اگرچہ خود غلطیوں میں غوطے کھا رہے ہوں۔

حرمتِ متعہ

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون ۱-۱۱)

بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام شہوترانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی شرعی لونڈیوں سے

(حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلب گار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۲۳ : ۱-۱۱)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں مؤمنین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے کچھ حقوق اللہ ہیں اور بیشتر حقوق العباد ہیں۔

سب سے پہلے بیان فرمایا کہ وہ مؤمن کامیاب ہیں جو نماز میں خشوع سے کام لیتے ہیں۔ محمد بن سیرین نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آسمان کی جانب نگاہ اٹھاکر دیکھتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔ اس کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھتے۔

عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے کہ خشوع سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کے ساتھ نہ کھیلے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

ابو عمران الجونی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ انھوں نے فرمایا کیا تم نے سورۂ مؤمنون تلاوت کی ہے ابو عمران نے جواب دیا جی ہاں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا اچھا تلاوت کرو۔ آپ کے سامنے تلاوت شروع کی گئی حتیٰ کہ قاری یحافظون تک پہنچا۔

ضحاک کا بیان ہے کہ اس آیت میں لغو سے مراد شرک ہے۔ حسن بصری کی رائے ہے کہ اس میں ہر گناہ داخل ہے۔ اس طرح اس میں شرک بھی داخل ہو گیا۔ اور گانا اور ساز بھی داخل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ۔ (المؤمنون - ۶)

لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی ارشرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے) ۲۳:۶

اس آیت سے جہاں زنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہاں شیعوں کے متعہ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ زوجہ کے حکم میں نہیں کیونکہ نہ وہ اس مرد کی وارث ہوتی ہے اور نہ مرد اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور اس متعہ کے ذریعہ جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ مرد سے ملحق نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ عورت طلاق کے ذریعہ نکاح سے خارج ہوتی ہے۔ بلکہ وہ متعہ کی مدت پوری ہونے سے خارج ہوتی ہے۔ اس طرح وہ اجرت پر لی ہوئی عورت ہے۔

جو شخص زوجہ یا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ کے علاوہ کسی اور سے اپنی خواہش پوری کرے گا تو ایسے لوگ سرکش ہیں اور ان پر حد واجب ہے گی لیکن وہ حضرات جن کی صفات اس آیت میں بیان کی گئیں یہ حضرات جنت الفردوس میں ہوں گے۔ اور یہ تمام حضرات مہاجرین ہیں۔ کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ اور یہ تمام اوصاف مہاجرین مکہ کے بیان ہو رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آخر میں فرما رہا ہے کہ یہ حضرات فردوس بریں کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ گویا متعہ کرنے والا کوئی فرد جنت الفردوس کا وارث نہ ہوگا۔ بلکہ ایسے افراد دوزخ کے وارث ہوں گے۔

محسنین کی راہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۠ (العنکبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے رستے ضرور دکھا دیں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے

رضا و رحمت) اسے خلوص عمل والوں کے ساتھ ہے۔ (۲۹ : ۶۹)

یہ آیت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشہور و معروف جہاد یعنی قتال شروع بھی نہ ہوا تھا۔ اس لحاظ سے اس آیت میں جہاد عام ہوا یعنی اللہ کی رضا اور اس کے دین کے لئے کوشش کرنا اور خود کو راہ حق پر قائم رکھنا جسے صوفیہ کی زبان میں جہاد اکبر کہا جاتا ہے گویا دین کے لئے کوشش کرنا یہ بھی جہاد ہے۔ جہاد کا تلوار سے ہونا ضروری نہیں خواہ جہاد عمل سے ہو خواہ زبان سے اور خواہ قلم سے۔ دین کے لئے کوشش کرنا جہاد ہے۔ تو جو شخص بھی دین کے لئے کوشش کرے گا۔ ہم اسے سیدھی راہ دکھائیں گے اور اللہ تعالےٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عربی زبان میں مُحسن کے معنی نیکی کرنے والا۔ لیکن اردو زبان میں اس لفظ کے معنی میں تغیر و تبدل کیا گیا اور اس کے معنی بیان کئے گئے، دوسرے پر احسان کرنے والا۔ جو احسان کا ایک جزو تو بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی نیکی ہے۔ لیکن اس صورت میں کلی معنی مراد نہ ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰىؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (سورہ لقمان ۲۲)

اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور اخیر سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہونچیگا۔ (۳۱ : ۲۲)

جو شخص اللہ کا تابعدار بن کر رہے اور نیکی بھی کرتا رہے تو گویا اس نے ایک مضبوط ستون کو تھام لیا۔ کیونکہ تمام کاموں کا انجام بالآخر اللہ ہی کے پاس ہے۔

حدیث جبریئلؑ میں ہے کہ حضرت جبریئلؑ نے سوال کیا یا رسول اللہ احسان کیا شئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی اس طرح عبادت کرنا گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ تصور کر لو کہ اللہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔

یہ آیت بھی مکی ہے اور اس میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اس بات کا

ثبوت ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کا ذکر ہے جو اس آیت کے نزول سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ اور یہ سب اسلام کے تابعدار بن چکے تھے۔ یہی وہ صحابہ ہیں جنھیں مہاجرین اولین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اہلِ ایمان شعراء کی توصیف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ
انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ط (الشعراء ۲۲۷)

ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انھوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا صرف) بدلہ (ہی) لیا۔ (۲۶ : ۲۲۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے شعراء کی برائی بیان کی کہ وہ ہر تخیل کی وادی میں گھومتے رہتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان اور صاحب عمل کا تذکرہ کیا جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ شعراء جو صاحب ایمان ہوں عمل صالح پر عمل پیرا ہوں، اللہ کا کثرت سے ذکر کرتے ہوں اور جن پر ظلم کیا گیا ہو اُن کی مدد کرتے ہوں اور ان برائیوں سے پرہیز کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان کی ہیں تو وہ اس گروہ سے مبرا ہیں۔ اور وہ سب صاحب ایمان ہیں اور عمل صالح کے پابند ہیں مثلاً حضرت حسان رضؓ بن ثابت، عبد اللہ رضؓ بن رواحہ، کعب رضؓ بن مالک، کعب رضؓ بن زہیر اور لبید رضؓ بن عامر وغیرہم۔

نیک اعمال کا اچھا بدلہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (عنکبوت ۶-۷)

اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے محنت کرتا ہے (ورنہ) اللہ تعالےٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں اور (وہ نفع جو طاعت سے پہونچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام تے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے اور اُن کو ان کے (ان) اعمال (ایمان و اعمالِ صالحہ) کا (استحقاق سے) زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔ (۲۹: ۶-۷)

قرطبی کا بیان ہے کہ جس شخص نے اپنے دین کے لئے جہاد کیا۔ کفار کے قتال پر صبر کیا۔ اور اطاعات کے عمل انجام دیتا رہا تو وہ تمام اعمال اپنے ہی لئے کر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے۔

لیکن وہ حضرات جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ہم انھیں ان کے نیک اعمال کی اچھی جزا دیں گے۔ یعنی اگر زمانہ کفر میں ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو ایمان لانے کے بعد ان کے زمانۂ کفر کی برائیوں کو دور کر دیا جائے گا۔

یہ ذہن میں رہے کہ لوگوں کو اجر ان کے عمل کا ملتا ہے اور جو عمل ہم نے نہیں کیا وہ زبردستی ہمارے اعمال نامہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ۔ یہ ہرگز بھی مرنے والوں کے اعمال نہیں یہ تو مرنے والوں کے وارثوں کے اعمال ہیں۔ یہ تمام اعمال وارثوں کے حساب میں لکھے جائیں گے چاہے وہ مرنے کے نام سے کرتے رہیں۔ لیکن جب انھوں نے یہ عمل اپنے لئے نہیں کیا تو ان کے لئے اجر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ عمل دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو یہ عمل مہمل ہو اور اس کا ثواب و عذاب کچھ نہ ملے گا۔ یا یہ عمل چونکہ خلاف شرع ہے اس لئے عمل کرنے والے اس گناہ کے مستحق ہوئے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ ○ (العنکبوت ۹)

اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور نیک عمل کئے ہوں گے ان کو نیک بندوں (کے درجہ) میں (کہ بہشت ہے) داخل کردیں گے۔ (۲۹: ۹)

یعنی جو حضرات سابقہ دور میں ایمان لا چکے اور نیک عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انھیں یقیناً نیک لوگوں میں داخل فرمائے گا۔

ہم یہ بات کئی بار لکھ چکے ہیں کہ اٰمَنُوۡا اور عَمِلُوۡا عربی زبان میں ماضی کے صیغے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ جن حضرات کا ذکر ہو رہا ہے وہ سابق میں ایمان لا چکے اور نیک عمل کر چکے ہیں۔ یہ سب حضرات نیک لوگوں میں داخل ہیں۔

سورۂ عنکبوت مکی ہے۔ لہذا یہ ایمان لانے والے بھی مکی ہیں جن کو بعد کی زبان میں مہاجر کہا جاتا ہے گویا قرآن یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ ان میں سے وہ تمام حضرات جو ایمان سے مشرف ہوئے اور جن حضرات نے نیک عمل انجام دئے۔ یہ سب صالح افراد ہیں۔ انھیں منافق قرار دینے کا مقصد قرآن کا انکار ہے۔ یعنی جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہوگا اس کا اس پر بھی ایمان ہوگا کہ تمام وہ صحابہ جنھوں نے ہجرت کی وہ سب نیک لوگ ہیں اور اس میں جو شک کرے وہ قرآن کا منکر ہے۔ اور اب جو شخص ان حضرات میں سے کسی کے بارے میں دعویٰ کرے کہ فلاں شخص منافق تھا یا فلاں شخص نے ایمان کو ترک کردیا وہ دراصل ان الفاظ میں قرآن کا انکار کر رہا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو درست تھے لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کا علم ناقص ہے عیاذاً باللہ اسے خبر نہ تھی کہ یہ لوگ بعد میں منافقت اختیار کریں گے جیسا کہ شیعوں کا صحابۂ کرام کے بارے میں جو دعویٰ ہے یا موجودہ دور کے چند افراد کا دعویٰ ہے کہ بنو ہاشم خاندان کے جتنے افراد ہیں سب منافق تھے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے اور حضرت حمزہؓ بھی ہاشمی تھے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ

الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (العنکبوت ۵۸-۵۹)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے، ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے۔ (العنکبوت: ۵۸-۵۹)

صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت بلندی پر کھڑکی والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے دور سے ایک چمکدار ستارے کو دیکھا جاتا ہے اور یہ باہم ایک دوسرے کے فضل کے باعث ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ انبیاء کی منازل ہوں گی جہاں تک کوئی پہنچ نہ سکے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ ان اشخاص کے مقامات ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔

ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں ایسی کھڑکیاں ہوں گی جن کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے اور بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا یارسول اللہ یہ حصہ کسے ملے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس شخص کو جس نے پسندیدہ گفتگو کی، لوگوں کو کھانا کھلایا، روزوں پر دوام کیا اور رات کو اللہ کے لیے نماز پڑھی حالانکہ لوگ سو رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۔ (الشوریٰ ۲۵-۲۶)

اور وہ ایسا رحیم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ (گذشتہ) معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس (سب) کو جانتا ہے اور ان لوگوں کی

عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے۔ (۴۲ : ۲۵-۲۶)

اللہ تعالےٰ نے ان آیاتِ کریمہ میں وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمائے گا ان کی برائیوں سے درگذر فرمائے گا اور ان پر اپنا فضل فرمائے گا۔

یعنی وہ حضرات مہاجرین جو پہلے ایمان لاچکے اور نیک عمل کرچکے ہیں اللہ تعالےٰ کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ وہ ان حضرات کی توبہ قبول فرمائے گا اور ان پر اپنا فضل فرمائے گا۔ یعنی دشمنانِ صحابہ کتنے بھی چیختے رہیں اللہ تعالےٰ نے ان صحابہ سے اپنے فضل کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور وہ اس میں اضافہ ہی کرتا رہے گا۔ یہ بھی اللہ کا ایک فضل تھا کہ اس نے ان صحابہ کو حکومت عطا کی اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ اگر ان حضرات سے کوئی غلطی سرزد بھی ہو جائے تو اللہ اسے معاف فرمائیگا۔

گناہ کے بعد اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر ۵۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۳۹ : ۵۳)

اے نبیؐ آپ انھیں بتادیجئے کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی مغفرت فرماسکتا ہے۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

یہ سورۂ زمر کی ایک آیت ہے اور سورۂ زمر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ لہٰذا وہ حضرات جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے وہ سب مکی اور مہاجر ہیں اور انھیں تسلی دی جارہی ہے کہ وہ

کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔

اس آیت کے تحت وہ تمام صحابہ کرام داخل ہیں جو ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام لائے یہ حضرات اس سے خائف رہتے تھے کہ ان سے جو لغزشیں سرزد ہوئی ہیں ان کی کہیں گرفت نہ ہو تو اس بارے میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم لوگ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا کیونکہ اس کی صفت غفور رحیم ہے۔

مومن کی دعا

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِھِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّۃِ ؕ (الاحقاف ۱۵-۱۶)

اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے کاموں کو قبول کر لیں گے اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے۔ اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے۔ (۴۶: ۱۵-۱۶)

قرطبی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ کہ ان کے ماں باپ اسلام لائے اور کوئی مہاجر ایسا نہ تھا جس کے والدین اسلام لائے ہوں۔ تو اللہ تعالےٰ نے ابوبکرؓ کو ان کے ساتھ سلوک کا حکم دیا جو بعد والوں پر لازم ہو گیا۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابوبکرؓ نے اس آیت کے نزول پر نو مومنوں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ اور کوئی نیک کام ایسا نہیں جو انھوں نے نہ کیا ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے وہ کون شخص ہے جس نے روزہ رکھ کر صبح کی ہو۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا میں نے۔ آپؐ نے فرمایا تم میں سے وہ کون شخص ہے جو آج جنازے کے پیچھے چلا ہو ابوبکرؓ نے عرض کیا "میں"۔ آپؐ نے فرمایا ایسا کون شخص ہے جس نے آج صبح کے وقت مسکین کو کھانا کھلایا ہو۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے۔

آپؐ نے فرمایا وہ کون شخص ہے جس نے آج مریض کی عیادت کی ہو۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا میں نے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں اتنی باتیں جمع ہوں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابوبکرؓ کے گھر میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا جو ایمان نہ لایا ہو۔ آپ کا بیٹا اور آپ کے والدین سب اللہ پر ایمان لائے۔ اور صحابہ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے ماں باپ اور اولاد تمام کے تمام اسلام لائی ہو۔ یہ صرف ابوبکرؓ کا خاصہ ہے۔

صرف اپنے اعمال کی جزا ملے گی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل ۳۰-۳۲)

اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے ▪ وہ کہتے ہیں کہ بڑی چیز نازل فرمائی ہے جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو اور زیادہ بہتر ہے اور واقعی وہ شرک سے بچنے والوں کا اچھا گھر ہے وہ گھر ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہاں ان کو ملے گی (بلکہ) اسی طرح کا عوض اللہ تعالےٰ سب شرک سے بچنے والوں کو دے گا جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔ (۱۶ : ۳۰-۳۲)

مفسر قرطبی کا کہنا ہے کہ ایام موسم حج میں کوئی اجنبی شخص آتا اور پھر وہ کسی کافر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتا تو کفار کہتے وہ شخص یا تو جادوگر ہے یا شاعر ہے یا کاہن ہے یا مجنوں۔ اور مومنین سے جب سوال کیا جاتا تو یہ حضرات جواب دیتے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی پر خیر اور ہدایت کی باتیں نازل کی ہیں۔ جس نے یہ نیک کام کیا ہے اسے نیکی حاصل ہو کر رہے گی۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مؤمنین کی روحیں جسموں سے نکلنے کے بعد سیدھی جنت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اس قبر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ روح تو بہر صورت جنت میں ہوتی ہے۔ اب قبروں کے پجاری مٹی کے ڈھیر کو پوجتے رہتے ہیں مگر یہاں اب کچھ نہیں رکھا۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں انسان کو جو بھی چیز عطا ہو گی وہ سب کچھ انسان کے اپنے اعمال کا صلہ ہو گا۔ یعنی جو اعمال مرنے والے نے خود انجام نہیں دیئے وہ اس کے مرنے کے بعد قرآن خوانیوں اور ایصال ثواب کے چکروں سے اسے قطعاً حاصل نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ انسان نے جو اعمال خود انجام دیئے ہیں مرنے کے بعد مرنے والے کو صرف ان اعمال کا صلہ ملے گا۔ یہ قرآن خوانیاں، یہ تیجے، یہ چالیسویں

سب یہیں پڑے رہ جائیں گے۔ البتہ یہ مسئلہ جداگانہ ہے کہ یہ امور کرنے والے کے کام بھی آئیں گے یا نہیں لیکن از روئے قرآن مرنے والے کے کچھ کام نہ آئیں گے کیونکہ جنت میں داخلہ ان اعمال کی بدولت ہونا ہے جو وہ زندگی میں کر چکا تھا۔ اور اسی کا اچھا یا برا صلہ ملتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الاحقاف ۱۹)

اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے تاکہ اللہ تعالےٰ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۴۶: ۱۹)

ان حضرات صحابہ کو ان کے اعمال کے صلہ میں بدلے ملیں گے۔ اور پورے اعمال ان کے سامنے رکھے جائیں گے ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان کو صرف اس کو اپنے اعمال کی جزا ملنی ہے۔ اور جو اعمال مرنے والے کے نہیں وہ فرضی طور پر ارسال کرنے سے اس کے پاس نہ پہنچیں گے اور نہ ان اعمال کا مرنے والے سے کوئی محاسبہ ہوگا۔

اس آیت میں عَمِلُوْا ماضی کا لفظ ہے یعنی اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو ان آیات کے نزول سے قبل ایمان لا چکے اور نیک عمل کر چکے۔ تو ان حضرات مہاجرین کو ان کے پورے پورے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ انسان کو صرف ان کے اعمال کی جزا ملے گی وارثا جو بعد میں مرنے والے کے نام سے عمل کرتے ہیں۔ مرنے والے سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ انسان کو صرف ان اعمال کی جزا ملتی ہے جو وہ زندگی میں کرتا رہا ہے۔

سورۃ الاحقاف مکی ہے۔ گویا یہ تمام ذکر مہاجرین مکہ کا ہو رہا ہے کہ ان تمام حضرات کو ان کے اعمال کے مطابق اجر ملے گا اور ان مہاجرین مکہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ

ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ط كُلُّ امْرِئٍ
بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ٥ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا
يَشْتَهُوْنَ ٥ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ٥
وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ٥ وَاَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ ٥ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا
مُشْفِقِيْنَ ٥ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ٥
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ٥ (الطور ۲۱-۲۸)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں محبوس (فی النار) رہیگا اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہینگے اور وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی (کیونکہ نشہ نہ ہوگا اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی) اور ان کے پاس ایسے لڑکے آویں گے جو خالص انھیں کے لئے ہوں گے گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام کار سے) بہت ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے۔ (۵۲ : ۲۱-۲۸)

جو لوگ خود ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان میں ان کی اتباع کی تو اس ذریت کو بھی ہم ان سے ملا دیں گے۔ اور ان کے کسی عمل کو ضائع نہ کریں گے۔ دراصل ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو پھل بھی دئے جائیں گے اور وہ گوشت بھی دیا جائے گا جن کی یہ خواہش کریں گے۔ یہ ایک دوسرے سے پیالے لیتے

ہوں گے۔ اور اس عمل میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا۔ ان کے پاس غلمان آتے رہیں گے اور یہ ایسے خوبصورت ہوں گے گویا یہ چھپا کر رکھے ہوئے ہوں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ اور کہیں گے اس سے قبل ہم اپنے اعزا میں بہت ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے ہم پر احسان کیا اور عذاب سے محفوظ رکھا۔ ہم پہلے بھی اللہ کو پکارتے تھے کیونکہ اللہ بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بات بھی صاف طور پر بیان کی گئی ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے سلسلہ میں گروی ہے جتنا وہ نیک عمل کرے گا اتنا ہی اسے اس عذاب سے چھٹکارا ملیگا گویا کہ نجات انسان کے اپنے عمل پر موقوف ہوگی یاروں کی قرآن خوانیوں تیجوں اور چالیسوں پر موقوف نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالےٰ کے محاسبہ اس عمل کا ہونا ہے جو انسان نے خود کیا ہے۔ اور جو عمل انسان نے انجام نہیں دیا اس کا اس سے کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔

صاحبِ علم اور اہلِ جہل کا فرق

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿الزمر ۹﴾

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ اور قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈرتا رہا ہو اور اپنے پرور کی رحمت کی امید کر رہا ہو آپ کہئے کہ کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہلِ عقل (سلیم) ہیں۔ (۳۹: ۹)

کیا وہ شخص جو رات کے مختلف اوقات کو سجدوں اور قیام کی حالت میں گزارتا ہو۔ آخرت سے ڈرتا ہو اور اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو بھلا ایسا شخص اور وہ شخص جو کچھ بھی نہ جانتا ہو برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی صاحب علم اور لاعلم برابر نہیں

ہو سکتے۔ دراصل ان آیات سے صاحب عقل لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔
یعنی جو شخص رات کو قیام نہیں کرتا، سجدے نہیں کرتا اور پروردگار کی رحمت کا امیدوار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحب علم نہیں بلکہ جاہل ہے اور ساتھ ساتھ وہ بے وقوف بھی ہے کیونکہ ان باتوں سے نصیحت عاقل لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ قانت سے کیا مراد ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا فرمان ہے کہ اس سے مراد اللہ کی اطاعت ہے۔

ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ اس سے مراد نماز میں خشوع ہے۔

یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ نماز میں طویل قیام کو قنوت بولتے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ قنوت کے معنی ہیں پروردگار کو پکارنے والا لیکن عبداللہ بن مسعود کا قول ان سب کو جامع ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں لفظ قنوت آیا ہے اس سے اللہ کی اطاعت مراد ہے۔

حضرت جابرؓ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس میں قنوت طویل ہو۔

اسی باعث علماء کہتے ہیں کہ طول قنوت سے مراد طولِ قیام ہے اور نافع نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک قنوت سے مراد طول قیام ہے۔

اس آیت میں قانت سے کون مراد ہے۔ یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ضحاک نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اس سے مراد عثمانؓ ہیں۔

مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مقصود عمارؓ بن یاسر ہیں۔

کلبی (رافضی) کا بیان ہے کہ اس سے صہیبؓ، ابوذرؓ اور ابن مسعودؓ مراد ہیں۔ اور درحقیقت اس میں وہ تمام صحابہ داخل ہیں جو قبل از ہجرت اسلام لائے۔

بینا اور نابینا یکساں نہیں

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۙ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَکَّرُوْنَ ۝ - (المؤمن ۵۸)

اور بینا نابینا اور (ایک) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور (دوسرے) بدکار باہم برابر نہیں ہوتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ (۴۰ : ۵۸)

اس آیت میں اندھے سے مراد کافر اور گمراہ ہے جب کہ بینا سے مراد مؤمن ہے یعنی جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے اسی طرح اہلِ ایمان اور نیک عمل کرنے والے اور بدعمل لوگ برابر نہیں ہوتے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ تم ان باتوں سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اس آیت میں لفظ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہے کہ جب یہ بات کہی گئی تب بھی کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے اور نیک عمل کر چکے تھے۔ انہی حضرات کو مہاجرین مانا جاتا ہے۔

آخرت کا اجر

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی
رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ (الشوریٰ ۳۶)

اور اجر و ثواب آخرت میں) جو اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائے دار۔ وہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے۔ اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (۴۲ : ۳۶)

مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انھوں نے پورا مال اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا جس پر لوگوں نے انھیں ملامت کرنی شروع کی۔ حدیث میں آتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں اسی ہزار درہم خرچ کیے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکرؓ کے پاس مال جمع ہوگیا جو انھوں نے سب کا سب نیک کام میں صدقہ کر دیا جس پر اہل اسلام نے انھیں ملامت کی اور کفار نے انھیں خطا کار بنایا۔ اللہ تعالٰے نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ قرطبی کا بیان ہے۔

مؤمن کی دوزخ سے دوری اور بچاؤ

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ (الانبیاء ۱۰۱-۱۰۳)

اور جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ لوگ اس (دوزخ) سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کو بڑی گھبراہٹ (یعنی نفخۂ ثانیہ سے زندہ ہونے کی) غم میں نہ ڈالے گی اور قبر سے نکلتے ہی فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ (اور کہیں گے کہ) یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (۲۱: ۱۰۱-۱۰۳)

جن لوگوں کے لئے پہلے ہی سے جنت لکھدی گئی ہے وہ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ تو اس کی لپیٹ بھی محسوس نہیں کریں گے۔ اور اپنی خواہشات کے پورا کرنے میں ہمیشہ وقت گزاریں گے۔ انھیں قیامت کی گھبراہٹ بھی خوف

یں مبتلا نہ کرے گی۔ اور ان سے فرشتے ملاقات کریں گے اور کہیں گے یہی تو وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

محمد بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے علیؓ بن ابی طالب کو منبر پر پڑھتے سنا اور اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ عثمانؓ بھی ان لوگوں میں داخل ہیں۔

یہ حضرات صحابہ وہ لوگ ہیں جنھیں جہنم سے دور رکھا جائے گا حتیٰ کہ یہ اس کی آواز بھی نہ سن سکیں گے۔ اور فرشتے ان سے جب ملاقات کریں گے تو کہیں گے یہی تو وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

یہ ذہن نشین رہے کہ یہ آیت سورۂ انبیاء کی ہے جو مکہ میں ہجرت سے قبل نازل ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ و طلحہؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ بشارت سنا رہا ہے کہ یہ لوگ تو دوزخ کے لپٹوں کی آواز بھی نہ سنیں گے اور جو بھی ان کی خواہش ہوگی اس میں ہمیشہ وقت گذاریں گے۔ انھیں قیامت کی گھبراہٹ پیدا نہ ہوگی اور ان سے فرشتے ملاقات کریں گے اور کہیں گے یہی تو وہ مبارک دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ہجرت کی ترغیب

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (عنکبوت۔ ۵۶)

اے میرے ایمان دار بندو میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو۔ (۲۹: ۵۶)

یہ آیت مکی ہے اور ان صحابہ کو جو مکہ میں تکلیف کی زندگی گذار رہے ہیں انھیں تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ تم اور کہیں ہجرت کر کے جا سکتے ہو۔ اور وہاں جا کر اللہ کی عبادت کر سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر کسی سرزمین مسلموں کو تنگ کیا جائے اور وہ اللہ کی صحیح معنی میں

عبادت نہ کر سکیں تو انھیں اس سرزمین سے ہجرت کر لینی چاہیئے۔ گویا بالفاظ دیگر اگر کسی انسان کے اعزا و اقارب اور اس کی آل و اولاد اسے خلافِ شرع کام کرنے پر اکسائیں تو اس شخص کے لئے لازمی ہے کہ ان سب کو چھوڑ دے۔ اور ایسے لوگوں کے پاس ہجرت کر جائے جو اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذار رہے ہوں۔

اللہ کے فضل سے تمام مہاجرین مکہ نے اسی اصول پر عمل کیا۔ اور تیرہ سالہ مصائب کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ آ کر بسے۔ اسی لئے تاریخ میں یہ مہاجرین کے نام سے مشہور ہوئے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر ۱۰)

کہیے کہ اے میرے ایمان والے بندو تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔ (۳۹ : ۱۰)

حضرت عبداللہؓ بن عباس کا قول ہے کہ اس آیت سے مہاجرین مراد ہیں جو حضرت جعفرؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔

اللہ کی زمین بہت وسیع ہے جہاں تم ہجرت کر کے جا سکتے ہو۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ اقامت اختیار نہ کرو جو معاصی پر عمل کرتے ہوں۔

اس آیت میں ہجرت کا حکم دیا جا رہا ہے کہ تم مکہ سے ہجرت کر کے اس جگہ چلے جاؤ جہاں تم امن سے رہ سکو۔ لیکن وہ لوگ جو مصائب پر صبر کریں انھیں تو بغیر حساب کے اجر ملے گا۔

قرطبی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میزانیں نصب کی جائیں گی۔ پھر اہلِ صدقہ کو بلایا جائے گا اور ان کے صدقات کا وزن کر کے انھیں پورا اجر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح نماز اور حج کا بھی۔

پھر ان لوگوں کو بلایا جائے گا جن پر بلائیں نازل ہوتی رہیں۔ ان کے لئے نہ کوئی

میزان لگائی جائے گی۔ نہ ان کے لئے کوئی دیوان پھیلایا جائے گا انھیں بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ حتیٰ کہ وہ لوگ جنھوں نے دنیا میں عافیت سے زندگی گذاری تھی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے۔ دراصل وہ لوگ اس فضل کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کاش ہم کو بھی ایسا ہی فضل حاصل ہوتا۔

صابر سے مراد وہ شخص ہے جو گناہوں سے صبر کرے اور خود کو معاصی سے بچائے رکھے۔ اس آیت میں مہاجرین مکہ کا نقشہ کھینچا جارہا ہے کہ ان حضرات کے لئے اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ اور مکہ میں صبر کرنے والوں کے لئے بغیر حساب کے اجر ہے۔

ہجرت کا ثمرہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠ (النحل :۱۱۰)

پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنھوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد (ایمان لاکر) ہجرت کی پھر جہاد کیا اور (ایمان پر) قائم رہے تو آپ کا رب ان اعمال کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ (۱۶: ۱۱۰)

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ آیت ان صحابۂ کرام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھیں مشرکینِ مکہ نے بہت بڑی آزمائش میں ڈالا۔ اور انھیں بڑی سخت سزائیں دیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انھوں نے ہجرت کی۔ پھر جہاد کیا اور ہر شے پر صابر رہے۔ اللہ تعالےٰ ان ہی مہاجرین مکہ کا حال بیان فرمارہا ہے۔

قرطبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد عبد اللہؓ بن سعد بن ابی سرح ہیں جو مصر کے گورنر رہے ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے لیکن شیطان نے انھیں

ور غلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو پناہ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پناہ قبول کر لی۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو جب اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما چکا تو اب ان پر اگر کوئی معترض ہوتا ہے تو سب سے اول یہ اعتراض اللہ اور اس کے رسول پر واقع ہوگا۔

جبکہ یہ صرف تفسیری یا تاریخی روایات ہیں جن کی باقاعدہ کوئی سند نہیں۔

اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (النحل ۴۱-۴۲)

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن (مکہ) چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب (بدرجہا) بڑا ہے۔ کاش ان کافروں کو بھی خبر ہوتی وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۱۶ پ ۴۱-۴۲)

کلبی کا بیان ہے کہ یہ آیات صہیبؓ، بلالؓ، خبابؓ اور عمارؓ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ انھیں اہلِ مکہ نے سخت مصائب میں مبتلا کیا۔ نتیجہ یہ کہ یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ آیات ابوجندلؓ بن سہیل کے باعث نازل ہوئیں۔

قتادہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ تمام صحابہ ہیں جن پر مشرکین مکہ نے ظلم کیا۔ حتیٰ کہ اہلِ مکہ نے ان حضرات کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ان میں سے کچھ حضرات حبشہ چلے گئے۔ پھر اللہ تعالے نے انھیں مدینہ کا ٹھکانہ عطا فرمایا۔ اور اہلِ مدینہ کو ان مومنین کا تعاون عطا فرمایا اور ان کا انصار بنایا۔ ابن عباسؓ، حسن، شعبی اور قتادہ کا بیان ہے کہ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً سے مراد نزولِ مدینہ ہے۔

ارشاد باری ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج ۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (۲۲ : ۴۱)

ابن عباس کی رائے ہے کہ اس سے مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین مراد ہیں قتادہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صحابۂ کرام ہیں۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے پانچوں نمازیں پڑھنے والے مراد ہیں۔ حسن بصری اور ابوالعالیہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ ہے اور اس کا فریضہ ہے کہ جب بھی وہ برسرِ اقتدار آئے تو وہ نمازیں قائم کریں زکوٰۃ دیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ ابن ابی نجیح کی رائے ہے کہ اس سے حکام مراد ہیں۔ ضحاک کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالٰے جسے بھی حکومت عطا فرمائے ان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ یہ امور انجام دیں۔

سہل بن عبداللہ التستری کی رائے یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سلطان اور علماء ہر دو پر واجب ہے۔ لوگوں پر یہ لازم نہیں کہ وہ سلطان پر حکم چلانا شروع کر دیں کیونکہ یہ امور تو خود سلطان پر واجب ہیں اور علماء کو بھی حکم نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ ان پر بھی یہ احکام لازم ہیں۔

آیت کے سیاق و سباق سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے اس آیت میں مہاجرین سے وعدہ فرمایا کہ وہ تمھیں سلطنت عطا فرمائے گا اس صورت میں تمھاری ذمہ داریاں یہ ہوں گی کہ نمازیں قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ جو بادشاہ یا حاکم ان چیزوں پر جتنا عمل پیرا ہوگا۔ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ اتنا ہی اجر کا مستحق ہوگا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

امام ... ایک اور ... یہ ہے کہ ... سے مراد وہ تمام ... ہیں جنہوں نے ... ہجرت کی خواہ وہ ... خواہ انہیں کوئی قتل کر دے یا وہ خود اپنی موت مر جائیں ہر صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں پاکیزہ رزق عطا فرمائے گا اور انہیں ایسے مقام پر پہنچایا جائے گا کہ جسے وہ پسند کریں گے

گویا تمام مہاجرین صحابہ خواہ وہ اپنی موت مرے ہوں یا کسی نے انہیں قتل

قتل کیا ہو۔ اللہ تعالےٰ انھیں زندگی میں بھی عمدہ رزق عطا فرمائیں گے اور مرنے کے بعد بھی۔ گویا کہ ان مہاجرین صحابہ کا مؤمن ہونا بھی یقینی اور انھیں بہترین رزق ملنا بھی یقینی۔ اور خلافت بھی ایک رزق ہے جو ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور معاویہؓ کو عطا ہوئی۔ اور یہ بہترین رزق اللہ کی ایک عطا ہے کیونکہ یہ حضرات ایمان بھی لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے۔ اللہ کی راہ میں ہجرت بھی کی اور قتال بھی کیا۔ لہذا ان سب حضرات کا جنتی ہونا یقینی ہوا۔

ارشاد الہٰی ہے۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ○ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ○ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ○ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ○ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ○ (قٓ ۳۱ — ۳۵)

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جاوے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو جو شخص اللہ سے بے دیکھے ڈرتا ہو اور رجوع ہونے والا دل لیکر آوے گا اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو جو چاہیں گے اور ہمارے ہاں اور بھی زیادہ (نعمت) ہے۔ (۵۰ : ۳۱ — ۳۵)

یہ ہم پہلے بارہا بیان کر چکے ہیں کہ قرآن میں جہاں متقین کا ذکر ہے۔ یا مؤمنین کا بیان ہے اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو اس آیت کے نزول سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے اور تقویٰ اختیار کر چکے تھے۔ ان کے لئے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ جنت تو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور ان سے یہ کچھ دور نہیں۔ یہ وعدہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کی جانب رجوع کرنے والا ہو اور معاصی سے اپنی حفاظت کرنے والا ہو۔

یہ متقین وہ حضرات ہیں جو غائبانہ طور پر رحمٰن پر ایمان لائے اور طاعت کرنیوالا دل لے کر حاضر ہوں گے۔ ان کو حکم ہو گا جاؤ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ یہ دن سلامتی کا ہے۔ اس جنت میں ان حضرات کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی ان کو خواہش ہو گی اور ہمارے پاس مزید نعمتیں ملیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث میں مروی ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ میں زیادتی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی جانب دیکھنا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی مخصوص قسم کا دیدار ہو جس کا ان نگاہوں سے دیدار محال ہو۔ لیکن یہ صرف ایک امکان عقلی ہے اس کی صورت کیا ہو گی یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

یہ آیات مکی ہیں۔ ان آیات میں متقین کے ذکر سے وہ صحابہ مراد ہیں جو مکہ میں اسلام لائے اور تاریخ میں مہاجرین مکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مدنی دور

مدنی سورتیں

جن کی آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں

سورۃ نمبر	نام سورۃ	سورۃ نمبر	نام سورۃ
۲	البقرہ	۶۱	الصف
۳	آل عمران	۶۲	الجمعۃ
۴	النساء	۶۴	التغابن
۵	المائدہ	۶۵	الطلاق
۸	الانفال	۶۶	التحریم
۹	التوبہ	۷۶	الدھر (الانسان)
۲۲	الحج	۹۸	البیّنۃ
۲۴	النور	۱۱۰	النصر
۳۳	الاحزاب		
۴۷	محمد		
۴۸	الفتح		
۴۹	الحجرات		
۵۵	الرحمٰن		
۵۷	الحدید		
۵۸	المجادلۃ		
۵۹	الحشر		
۶۰	الممتحنۃ		

وضاحت

علمائے تفسیر کے درمیان سورہ الرحمٰن اور الدھر کے زمانۂ نزول میں اختلاف ہے میں نے اکثریت کی آراء سے اتفاق کرتے ہوئے انھیں مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ان کا اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکی ہیں۔

حبیب الرحمٰن

تلاوت کا حق

ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط (البقرہ ۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات و انجیل) دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔(۲:۱۲۱)

یعنی وہ صحابۂ کرام جن کو کتاب اللہ عطا کی گئی ہے وہ تلاوت کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ اور صحیح معنی میں اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ صاحبِ ایمان ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو تلاوت کا صحیح حق ادا نہیں کرتے ان کے ایمان میں شبہ ہے۔ اس کے بعد جو درجہ ہے وہ کتاب کے انکار کا ہے جو صاحبِ ایمان ہیں وہ سبائیوں کی طرح یہ کہکر قرآن سے انکار نہیں کرتے کہ یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے حکم سے زید بن ثابت نے جمع کیا تھا۔ اور انھوں نے مولا علیؓ کے قرآن کو رد کر دیا تھا جو امام مہدی کے زمانہ تک غائب رہیگا) اور اس قرآن میں جو آیات حضرت علیؓ اور ان کے اہلِ بیت کے فضائل میں تھیں یہ وہ لوگ کھا گئے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ مصحف عثمانی ہے۔ اصل قرآن میں (بقول کافی) ۱۸۰۰۰ — ۱۹۰۰۰ ہزار آیات تھیں اور اس قرآن میں سات ہزار کے قریب آیات رہ گئیں۔ اور جہاں اہلِ بیت کا ذکر آیا تھا وہاں سے تقریباً سورۂ بقرہ کے برابر قرآن غائب کر دیا گیا۔ اس آیت میں کیونکہ اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں اس لئے ان کا ذکر فرقۂ سبائیہ کے لئے حلق کا کام کرتا ہے۔ ان کے بقول یہ سب امور اس وقت حل ہوں گے جب امام مہدی تشریف لائیں گے۔ اب وہ ڈھائی سالہ بچہ کی صورت میں آئیں گے یا ڈیڑھ ہزار سالہ بوڑھے کے روپ میں۔ یہ معاملہ آپ سبائی برادری سے طے کر لیں۔

ہم تو صرف یہ بات جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کی شان یہ بیان کرتا ہے کہ جب انھیں کتاب دی گئی تو وہ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تلاوت کا حق ادا کیا۔ اور جو لوگ اس قرآن کو محرف مانتے ہیں نہ وہ اس پر ایمان لا سکتے ہیں اور نہ وہ قرآن پر ایمان لانے والے قرار پائیں گے۔ ان کے لئے اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہونے کی حیثیت سے آیت کا آخری جملہ اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۲۱) اور جو شخص اس قرآن کا انکار کرے تو ایسے لوگ ٹوٹے میں پڑنیوالے ہیں۔

قرآن کے اس امت پر متعدد حق ہیں۔ (۱) تلاوت کا صحیح حق کہ ہر حرف تجوید کے مطابق صحیح طور پر ادا ہو۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ (۲) معانی پر غور۔ تلاوت کے بعد یہ دوسری منزل ہے۔ (۳) قرآن سے نصیحت

ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر۔۴۰)
اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ (۵۴ : ۴۰)

۴۔ قرآن میں غور و فکر کرنا اور تدبر سے کام لینا۔ ارشاد ہے۔
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ (محمد۔۲۴)
تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ (۴۷ : ۲۴)

تلاوت قرآن کے یہ کم از کم چار مراتب ہوں گے۔ اور اہل پاک و ہند صرف پہلی منزل میں پھنسے ہوئے ہیں بلکہ عدالتوں میں قرآن کی جھوٹی قسمیں کھانا بھی ہمارا معمول بن چکا ہے۔
یہ تسلیم ہے کہ تلاوت قرآن بھی ایک حق ہے لیکن قرآن نے یہ کہیں بیان نہیں کیا کہ دوسرے حقوق سے چشم پوشی اختیار کر لی جائے اور تلاوت کو بھی ایک کھیل بنا لیا جائے۔ اور موجودہ دور میں تلاوت قرآن ایک کھیل ہے جو پوری امت کھیل رہی ہے۔ قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی طرف کوئی مائل نہیں۔ بلکہ معیار یہ ہے کہ قرآن کو کون جلد پڑھ کر ختم کرے۔ اس سے کسی کو غرض نہیں کہ قرآن کس امر کا حکم دے رہا ہے اور کن امور کی ممانعت کی ہے۔ کیونکہ قرآن اب عمل کرنے کے لئے نہیں رہا ہے۔ صرف بھاگ دوڑ کے لئے رہ گیا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کا اجر

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝
ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِمَا عَيْنَانِ
تَجْرِيَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ
زَوْجَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ
بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ
قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ
وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ
إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ۝

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ حُوْرٌ
مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لَمْ
یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

(الرحمٰن ۶۲ ـ ۷۸)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہو اس کے لئے جنت میں دو باغ ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور وہ) دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جاویں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز غایت عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

اور ان دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں باغ گہرے سرسبز ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں میوے کھجوریں اور انار ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہوں گی (اور) خیموں میں محفوظ ہوں گی سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اور ان جنتی لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ سبز مسندوں اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت والا نام ہے نام آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔ (۵۵ : ۴۶ — ۷۸)

جو شخص پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے اور اپنے اعمال کی جواب دہی سے خائف ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ ان جنتوں کے میوے مختلف مزوں کے ہوں گے اور ہر قسم کے پھل دو دو قسم کے ہوں گے۔ یہاں یہ لوگ بستروں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان فرشوں کا اندرونی حصہ استبرق کا ہوگا۔ توڑے ہوئے پھل ان کے قریب رکھے ہوں گے۔ ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جنھیں جنتیوں سے پہلے کسی نے بھی نہ چھوا ہوگا۔ گویا یہ عورتیں یاقوت اور مرجان کی ہیں۔ کیا نیک کاموں کا بدلہ نیک نہیں ہوتا (ہاں یقیناً نیک ہی ہوتا ہے) ان جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہوں گی۔ جو سرسبز ہوں گی۔ اور ان دونوں جنتوں میں پانی کے دو چشمے پھوٹتے ہوں گے۔ ان میں میوے ہوں گے، کھجوریں ہوں گی اور انار ہوں گے۔ اور

ان جنتوں میں بھی خوبصورت چہروں والی عورتیں ہوں گی۔ ان کے علاوہ حوریں بھی ہوں گی۔ جو خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔ ان کو بھی اس سے قبل نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ جن نے یہ لوگ سبز زخرف پر ٹیک لگائے ہوں گے جن پر پھول بوٹے والے عمدہ قسم کے کپڑے لگے ہوں گے۔ ان تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے تم جن و انسان اللہ کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے۔ اے جن و انس آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو جلال اور اکرام والا ہے۔

در اصل یہ تمام نعمتیں ان حضرات کو حاصل ہوئی ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے اور جواب دینے سے خائف ہوں۔ اور یہ ان صحابہ کرام کی صفات بیان کی جارہی ہیں جو ابتدا میں اسلام لائے جنھیں سابقین اسلام کہا جاتا ہے۔

صحابہ کا اللہ پر کامل بھروسہ

ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ○ (آل عمران ۱۷۳-۱۷۴)

یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمھارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیئے تو اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ حق تعالےٰ ہم کو کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے پس یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ رضائے حق کے تابع رہے۔ (۳ : ۱۷۳-۱۷۴)

جنگ احد کے بعد منافقین نے صحابۂ کرام میں بزدلی پھیلانے کے لئے یہ افواہ اڑائی کہ اہل مکہ مدینہ پر حملہ کے لئے واپس آرہے ہیں۔ اور اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ ممکن نہیں۔

صحابۂ کرام یہ سن کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس جنگ میں صرف وہ حضرات شریک ہوں گے جو جنگ احد میں شریک ہو چکے تھے۔ اور ابھی جنگِ احد سے زخمی ہو کر آئے تھے۔ اسی لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے بیٹے اس جنگ میں تیرے دونوں باپ شریک تھے۔ یعنی سگے باپ زبیر بن العوام اور تیرے نانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما۔

اب جو شخص انھیں اقتدار کا بھوکا، فریب کار، لالچی اور دھوکہ باز تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ "خلافت و ملوکیت" نامی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ دراصل وہ خود ایک مخصوص شخصیت کی پوجا کے مرض میں مبتلا ہو کر شیطان کی پیروی کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ صحابۂ کرام اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں اور اس کی مرضی کے تابع ہیں۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شیطان اور اس کے ہمنواؤں نے صحابۂ کرام کو ڈرانا چاہا تھا۔ لیکن صحابۂ کرام کو وہ خائف نہ کر سکا۔ اب جب صحابۂ کرام چہار دانگ عالم میں اسلام پھیلا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تو شیطان سبائیوں کے بھیس میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ معمولی طاقت سے گھبرا کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھتے تھے۔ دراصل یہ اسی طبقہ کی اختراع ہے اور انھیں آئینہ میں اپنا شکست خوردہ چہرہ صاف نظر آرہا ہے۔ وہ اپنے دل کا غبار آخر کس طرح نکالتے۔ لہٰذا انھوں نے اپنا کردار صحابۂ کرام کے سر تھوپ دیا۔

اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام کو پہلے سے مطلع کر دیا تھا کہ شیطان تمھیں اپنے یاروں سے ڈرائے گا۔ لہٰذا تمھیں صرف اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن تو یہ بیان کرتا ہے کہ یہ وہ حضرات تھے جن کے ایمان میں اضافہ ہوا اور یہ حضرات اللہ کی نعمت اور فضل لے کر واپس لوٹے یہ سب رضائے الٰہی کے متلاشی تھے۔ جبکہ فرقۂ سبائیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سب منافق تھے اور قرآن اللہ کا نازل کردہ نہیں۔ بلکہ عمرؓ کے کہنے سے زیدؓ بن ثابت نے وضع کر ڈالا تھا اور بہت کچھ اس میں عثمانؓ نے اضافہ کر دیا تھا اور اس میں سے وہ آیات نکال دیں جو حضرت علیؓ اور ائمہ کی شان میں وارد ہوئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ از روئے قرآن عقیدہ امامت کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تبرا ہے کہ آپ کے بعد بارہ اماموں تک نبوت جاری رہی۔ اس طرح ختم نبوت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے منکر شیعہ ہیں۔ اگر ختم نبوت کے انکار کے باعث مرزائی کافر ہیں تو امامت کو ماننے والا فرقہ سب سے پہلے اور سب سے بڑا کافر ہے۔

صحابہ خیرِ اُمت ہیں

ارشادِ الٰہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران ۱۱۰)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہو۔ (۳ : ۱۱۰)

اس آیت کا عام ترجمہ جو یہ کیا جاتا ہے کہ تم بہترین امت ہو تو یہ صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے لفظ امۃٌ کی ت کو دو زبر آنے چاہئیں تھے۔ جبکہ لفظ امت کو دو زیر آرہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہونا چاہئے کہ تم امت کے بہترین افراد ہو۔ گویا لفظ خیر امت کی جانب مضاف ہے اور عربی قاعدہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کو ہمیشہ دو زیر آتے ہیں اور یہ ترجمہ کہ تم بہترین امت ہو اس لحاظ سے یہ موصوف صفت ہوگا۔ اور عربی قاعدہ ہے کہ موصوف صفت کا ایک اعراب ہوتا ہے۔ تو خیر کی طرح اس کی ت پر دو زبر آتے اگر امت صفت ہوتی یعنی خَیْرُ اُمَّۃٌ ہونا چاہئے تھا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

مفسر قرطبی نے اسی قول کو ترجیح دی اور بیان کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو زنجیریں باندھ کر اسلام کی طرف لا رہے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں خیر امت سے وہ افراد مراد ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور بدر و حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جو شخص ان صحابہ جیسا عمل کرے گا وہ اس مرتبہ میں

داخل ہوگا یعنی ان ہی جیسا ہوگا۔ تفسیر قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۷۱
آگے مفسر قرطبی لکھتے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے۔ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہونگے۔

امت محمدیہ کا کام یہ ہے کہ یہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی، برائی سے روکتی اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ گویا صحابہ کرام میں یہ تین خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ۔

یہ صفت جس جماعت یا جس گروہ میں پائی جائے اگرچہ وہ اس لحاظ سے امت کے بہترین افراد ہوں کہ وہ صحابہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں لیکن اصل اس آیت میں خیر امت سے مراد صحابہ کرام ہیں۔

ہاں یہ ضرور ذہن نشین رہے کہ ہمارے یہاں ایک جماعت جو خود کو تبلیغی جماعت کہتی ہے۔ ہم نے کبھی اس گروہ کو نہی عن المنکر کرتے نہیں دیکھا۔ اور معروف میں بھی صرف چند چیزیں ہیں جن کی تبلیغ وہ کرتے ہیں۔ اس جماعت کو اس آیت کا مصداق بنانا ایک حماقت ہے ہاں بقول غالب ؎

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

پھر امر بالمعروف کے نام سے صحابہ کرام اور بزرگوں کے بے سرو پا قصے بیان کئے جاتے ہیں جن سے قرآن کی بھی تردید ہوتی ہے لیکن لوگ اس پر جھومتے ہیں کہ فلاں صحابی نے خون پی لیا اور فلاں نے پیشاب پی لیا۔ عیاذاً باللہ اس قسم کی بلاؤں سے اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو محفوظ رکھے۔ اور پھر واقدی جیسے کذابوں کی کہانیاں شیخ الحدیث صاحب بیان کریں تو اپنا سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی روایات تو خلاف قرآن ہونے کے باعث بھی مردود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھے۔

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس امت میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہیں۔

اکثر علماء کا دعویٰ یہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر میں ایک بار بھی دیکھا وہ بعد میں آنے والی تمام امت سے افضل ہے۔ اور صحبت رسولؐ کی فضیلت اتنا بڑا درجہ رکھتی ہے جس کے برابر روئے زمین کا کوئی عمل نہیں ہوسکتا۔ (قرطبی ج ۳ ص ۱۴۱)

ان آیات اور ان کی تفسیر پر غور کیجئے اور پھر ان اہل سنت والجماعت ملاؤں کے اقوال دیکھئے جو امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو فاسق کہتے ہیں۔ حالانکہ اگر تمام امت کے اعمال جمع کر لئے جائیں تو امیر معاویہؓ کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوسکتے۔ اور وہ حضرات تو ان سے بھی بڑا درجہ رکھتے ہیں جو ان سے پہلے اسلام لائے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

صحابہ نمونۂ ہدایت

ارشادِ الٰہی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (البقرہ ۱۳۷)

سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہِ حق پر لگ جاویں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ تو ہمیشہ سے برسر مخالفت ہیں ہی تو (سمجھ لیجئے کہ) آپ کی طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔ (۲ : ۱۳۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں سے جس ایمان کا مطالبہ کیا ہے وہ دراصل وہ ایمان ہے جو صحابۂ کرام لائے۔ اور لوگوں کی ہدایت اسی پر موقوف فرمائی۔ اگر یہ دعویداران اسلام اس قسم کا ایمان قبول نہیں کرتے تو گویا خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کو ایسا ایمان مطلوب نہیں بلکہ وہ ایمان مطلوب ہے جو صحابۂ کرام میں پایا جاتا تھا۔ اور ان صحابہ کے لئے اللہ کافی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے تو آپ اس وقت قرآن کی تلاوت

فرمارہے تھے اور آپ کا خون اس آیت پر گرا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔
گویا اللہ تعالےٰ نے اس کے ذریعہ یہ امر ظاہر فرمادیا کہ حضرت عثمانؓ ان حضرات میں داخل ہیں کہ ان جیسا ایمان لانے کے بعد ایمان قبول ہو۔ اور جو لوگ اس قسم کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہیں وہ خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔

تاشقند میں رکھا ہوا وہ قرآن جسے قرآن عثمانؓ کہا جاتا ہے۔ میں نے اس کی نقل کراچی کے عجائب خانہ میں دیکھی ہے اس میں یہ آیت کریمہ خون میں تر ہے۔ اگر واقعتاً یہ قرآن وہ قرآن ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تحریر کیا گیا اور جسے حضرت عثمانؓ تلاوت فرمارہے تھے تو یہ قرآن خود حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا ایک شاہکار ہے۔ اور اس واقعہ سے یہ امر ثابت ہوگا کہ حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں شامل ہیں جن کی شان قرآن اس آیت میں بیان کر رہا ہے اور ان کے قاتلین اس صف میں شامل ہیں جو خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کے لئے اللہ کافی ہے۔ ان قاتلین عثمانؓ سے نمٹنے کے لئے اللہ نے امیر معاویہؓ کو کھڑا کیا اور انھوں نے ان قاتلین کو معقول سزا دی۔

اللہ تعالےٰ ہم سے اس آیت میں مطالبہ فرما رہا ہے کہ ہدایت پانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمھارا ایمان صحابہ جیسا ایمان ہو۔ اور اگر انھیں اس ایمان سے اختلاف ہے تو یہ خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ دراصل اللہ تعالےٰ کو وہ ایمان مطلوب ہی نہیں جو صرف دعوں تک محدود ہو اور عمل اس کے ساتھ کچھ نہ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ آج ہماری اکثریت اس مرض میں مبتلا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا
أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ
وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ○ (البقرہ ۔ ۱۳)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بیوقوف

یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے۔ (۲ : ۱۳)

اس آیت کریمہ میں صحابہ کے ایمان کو معیار بنا کر مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ صحابہ ایمان لائے ہیں جبکہ منافقین صحابہ کو بے وقوف قرار دیتے تھے۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ صحابہ کو بے وقوف قرار دینے والے خود بے وقوف ہیں۔ لیکن ان بے وقوفوں کو خود اپنی بے وقوفی کی خبر نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے چند امور کی وضاحت کی ہے۔

۱۔ اللہ تعالےٰ کو وہ ایمان مطلوب ہے جو صحابۂ کرام ایمان لائے تھے۔

۲۔ صحابہ کا ایمان اس منزل پر پہنچا ہوا تھا کہ لوگ ان کو بے وقوف کہنے لگے تھے۔

۳۔ لیکن انھیں بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف تھے۔ لیکن انھیں اپنی بے وقوفی کی خبر نہیں۔

قاعدہ یہی ہے کہ جب کوئی انسان دوسرے کو بے وقوف قرار دیتا ہے تو دراصل وہ خود بے وقوفی میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ خود بے وقوفی میں مبتلا ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ جب دین کا دنیا سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو دنیا دار طبقہ نیک لوگوں کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً دنیا دار طبقہ ہی بے وقوف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر کلی طور پر دنیا اور اس کی ترقی کی جانب ہوتی ہے اور آخرت کو اختیار کرنے والے کی نظر تمام تر آخرت پر ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اکثریت دنیا پرستوں کی ہے۔ لہٰذا وہ دین دار طبقہ کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل بے وقوف یہی لوگ ہوتے ہیں۔

اللہ کا گروہ (حزب اللہ)

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿المائدہ ۵۶﴾

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول ﷺ سے اور ایماندار

لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔ (۵ : ۵۶)
صحابۂ کرامؓ اللہ کا لشکر ہے اسی لشکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے
تو جو شخص اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین سے دوستی رکھے گا اس کا شمار حزب اللہ میں ہوگا۔
اور یاد رکھو کہ حزب اللہ ہی غالب رہتا ہے۔

یعنی جو گروہ صحابہؓ سے دوستی نہ رکھے گا وہ حزب اللہ سے خارج ہے کیونکہ جب صحابہؓ اس کے دوست نہیں تو اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول بھی اس کا دوست نہیں۔ اس لحاظ سے اس کا شمار حزب الشیطان میں ہوگا جس کا حزب اللہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اسی لئے سبائی قرآن کو نہیں مانتے ان کے بقول اصلی قرآن مہدی تک غائب کر دیا گیا ہے جو ہزارہا سال میں گل سڑ کر باہر آئے گا۔

ان آیات کریمہ سے یہ امر بھی واضح ہو کر سامنے آگیا کہ اگر صحابۂ کرام صاحب کمال نہ ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز انھیں دوست نہ بناتے اور نہ اللہ تعالےٰ ان سے اپنی رضا کا اعلان فرماتے۔

اس آیت کریمہ سے حسب ذیل امور سامنے آئے۔

۱۔ صحابۂ کرام نے دین کی خاطر اپنے آباؤ اجداد۔ بھائی بند، اولاد، قرابت دار، اہل قبیلہ اور اپنے بھائیوں سے دشمنی رکھی۔
۲۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔
۳۔ اللہ تعالےٰ اپنے حکم سے ان کی مدد فرماتا ہے۔
۴۔ اللہ تعالےٰ ان حضرات سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔
۵۔ یہ جماعت صحابہ حزب اللہ ہے۔
۶۔ حزب اللہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اب جو شخص ان حضرات سے بغض رکھتا ہے دراصل وہ قرآن اور اللہ سے بغض رکھتا ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم منافق تھے، دھوکہ باز تھے۔ اور ان کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا۔ دراصل وہ خود اس مرض کا شکار ہیں۔

اسی طرح وہ تمام تاریخی روایات جو قرآن کے ان بیانات سے متصادم ہوں اور جن سے صحابہ کرام کے عدم ایمان اور منافقت کا اظہار ہوتا ہو وہ سب سبائیوں کا کذب و افتراء ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالےٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ یہ حزب اللہ ہیں۔ اور حزب اللہ ہمیشہ غالب رہیں گے۔ اس لحاظ سے ہر وہ تاریخی روایت جس سے قرآن کا رد ہوتا ہو دو حال سے خالی نہیں۔ یا ان روایات کو مردود قرار دینا ہوگا۔ یا شیعوں کی طرح اس قرآن کو (عیاذاً باللہ) جھوٹا ماننا ہوگا۔ اور ان ہر دو امور کا ماننا محال ہے۔ اور غالباً سبائیوں نے انہی دونوں امور کو پیش نظر رکھ کر تاریخی کہانیاں وضع کی تھیں۔ تاکہ وہ اپنے اس عقیدے کا پرچار کرسکیں کہ یہ قرآن محرف ہے۔ عیاذاً باللہ۔

صحابہ کرام اللہ کا لشکر ہیں۔ اس لشکر کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے تو جو شخص اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین صحابہ سے دوستی رکھےگا اس کا شمار حزب اللہ میں ہوگا اور یاد رکھو کہ حزب اللہ ہی غالب ہوتا ہے۔

یعنی جو شخص صحابہ کرام سے دوستی نہ رکھے گا وہ حزب اللہ سے خارج ہے۔ اور جب صحابہ اس کے دوست نہیں تو اللہ اور اس کا رسول بھی اس کا دوست نہیں۔ اس لحاظ سے اس کا شمار حزب اللہ کے بجائے حزب الشیطان میں ہوگا۔

ان آیات سے یہ امر خود بخود ظاہر ہوگیا کہ صحابہ کرام اگر باکمال نہ ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز انہیں دوست نہ بناتے اور نہ اللہ تعالےٰ ان سے اپنی رضا کا اعلان فرماتا تو اس طرح اس آیت کریمہ سے حسب ذیل امور واضح ہوئے۔

۱۔ یہ جماعت صحابہ حزب اللہ ہے۔

۲۔ حزب اللہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہمیشہ غالب رہے گی۔

۳۔ حزب اللہ ہونے کے باعث یہ صاحب ایمان بھی ہیں۔

۴۔ اس لحاظ سے یہ نبی کے ساتھی ہیں۔ اور جس طرح رسول اللہ پر ایمان لانا لازم ہے اسی طرح صحابہ کرام کی صحابیت پر ایمان لانا لازم ہے۔

ایسی صورت میں جو شخص صحابہ کرام سے بغض رکھتا ہے۔ دراصل وہ اللہ سے

بغض رکھتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں فلاں صحابی دھوکہ باز بے ایمان۔ چالباز اور مکار تھے۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا در اصل ایسا شخص خود حسد کا شکار ہے کہ تمام صحابہ ان کے والد (ابو طالب) کے مخالف کیوں ہو گئے۔

صحابہ کا عبادات میں انہماک

ارشاد الٰہی ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (التوبہ ۱۱۲)

وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے (ہیں) اور ایسے مومنین کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے۔ (۹ : ۱۱۲)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ (الفتح ۲۹)

اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ (۴۸ : ۲۹)

یہ صحابہ ان اوصاف مذکورہ سے متصف ہیں۔ یہ اوصاف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں۔ ان کی اہم صفت یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ کی رضا کے متلاشی اور اس کے احکام اور حدود کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ گویا یہ ممکن ہی نہیں کہ صحابہ کرام عمداً کوئی کام

احکام الٰہیہ کے خلاف انجام دیں۔ جس طرح ان حضرات سے یہ ممکن نہیں کہ یہ حضرات ایک فاسق وفاجر اور بے دین کا ساتھ دیں۔ اسی طرح ان حضرات سے یہ ممکن نہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لے کر ازروئے قرآن قتل عمد کے مرتکب ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ (النساء۔ ۹۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا اور اس پر اللہ تعالےٰ غضب ناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا کا سامان کریں گے۔ (۴ : ۹۳)

ایسی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہو کر جہنم کے مستحق بنیں۔ جبکہ قرآن نے صحابۂ کرام کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ احکام الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اسے پامال کرنے والے نہیں۔ جیسا کہ موجودہ دور کے نوزائیدہ خارجیوں نے یہ تصور کر لیا ہے کہ حضرت علیؓ نے دو بیٹوں کو پہرے پر کھڑا کر دیا "اور جسے خود پالا تھا (محمد بن ابوبکرؓ) اسے پچھیے سے کوٹھے پر چڑھوا کر (عثمانؓ) کو قتل کرا دیا"۔

حالانکہ ہم مذہبی داستان کے حصہ اول میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہماری تاریخ، اسلام کے نام پر ایک بدنما داغ ہے۔ کوئی فخر کی شئے نہیں۔ اور صحابۂ کرام کے معاملہ میں یہ تاریخ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی سمجھدار آدمی اسے دیکھنا بھی گوارا کرے۔ یہ پوری تاریخ سبائیوں کا شاہکار ہے۔ جس کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ صحابۂ کرام قرآن کے سب سے بڑے مخالف تھے اور یہ کہ اسلام میں صرف دو ہی قابل قدر ہستیاں گذری ہیں ایک حضرت علیؓ اور دوسرے حضرت حسینؓ۔ باقی تمام صحابہ ایک فریب ہیں

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔(آلعمران ۱۹۰ - ۱۹۱)

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات کے اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ (۳ : ۱۹۰ — ۱۹۱)

ان یات کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے جہاں صحابہ کرام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ ہمہ وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں وہاں یہ امر بھی واضح فرمادیا کہ دراصل اولوالالباب یعنی عاقل تو یہی ہیں۔ اور جو لوگ یہ کام سرانجام نہیں دیتے دراصل وہ بدعقلی کا شکار ہیں۔ کیونکہ تقاضائے عقل تو یہ ہے کہ پہلے اللہ کو یاد کریں لیکن اللہ کو دراصل صحابہ کرام ہی یاد کرتے ہیں۔

وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران — ۷)

اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں۔ (۳ : ۷)

گویا قرآن سے اصل نصیحت حاصل کرنے والے یہ صحابہ کرام ہیں۔ اس لحاظ سے یہی اُولُوالاَلْبَاب ہیں۔ یعنی صاحب عقل ہیں اور جس کا یہ حضرات ساتھ دیں گے وہ بھی صاحب عقل ہوگا کیونکہ کوئی صاحب عقل بدعقل کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور جس کے تعاون سے یہ حضرات گریز کریں گے اس کے بدعقل ہونے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ اور جس شخص کو یہ صحابہ سمجھاتے سمجھاتے تھک جائیں تو مجھ جیسے بدعقل کا ذہن بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ اس شخص کے پاس عقل تام کی بھی کوئی شئے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صحابہ کے مرکز کو چھوڑ کر عراقیوں اور ایرانیوں کے بہکانے میں دوڑے جارہے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انھیں ہر وقت اللہ کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

صحابہ پر اتمامِ نعمت

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں صحابہ کرام کو خطاب کر کے ان سے تکمیل نعمت کا وعدہ فرمایا ہے

ارشاد ہے۔

وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ۝ (البقرہ۔ ۱۵۰)

اور تاکہ تم پر جو میرا انعام ہے اس کی تکمیل کردوں اور تاکہ دنیا میں تم راہ راست

(حق) پر رہو۔ (۲ : ۱۵۰)

پھر اسی نعمت کے نزول کا ذکر ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے۔

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ وَالۡحِکۡمَۃِ (البقرہ۔ ۲۳۱)

اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین)

حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں۔ (۲ : ۲۳۱)

یعنی اے صحابہ اس نعمت کا نزول تم پر بار بار ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا تم اس نعمت کو یاد کرو اور اس نعمت کی تکمیل کی بھی امید رکھو کہ ایک روز تم پر اس نعمت کی تکمیل ہونی ہے۔

پھر ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو ارشاد فرمایا گیا۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ

لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ۝ (المائدہ۔۳)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا

انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔ (۵ : ۳)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر یہ احسان فرمایا کہ ان پر دین بھی مکمل کر دیا گیا۔ اپنی نعمتوں کی تکمیل بھی کر دی۔ اور اسلام بہ حیثیت دین کے پسند فرمایا۔

یعنی اے صحابہ تم وہ ہستیاں ہو جن پر دین کی تکمیل کی گئی اتمام نعمت کیا گیا۔

قرآن نازل کیا گیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا گیا۔

لیکن وہ فرقہ جو یہ مانتا ہو کہ حضورؐ کے بعد اماموں پر بھی وحی نازل ہوتی رہی اور ہر امام کو

ایک علیحدہ کتاب ملتی رہی۔ تو گویا وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اور بارہ اماموں تک نبوت چلتی رہی تو ایسے فرقے کے کفر میں کیا شک وشبہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ طبقہ تو مرزائیوں سے بھی بدتر ہے۔

صحابہ پر اللہ کی رحمت

ارشاد الٰہی ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ (البقرہ۔۱۰۵)

ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (وعنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔ (۲ : ۱۰۵)

دشمنان صحابہ یعنی اہل کتاب اور مشرکین (اور روافض) کی اصل ناراضگی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام پر خیر کیوں نازل کی اور انھیں اپنی رحمت کے لئے کیوں مخصوص کیا۔ یہودیوں اور سبائیوں کو اس نعمت سے کیوں محروم کیا گیا۔ اس تمام فساد کی بنا یہ ہے جس میں آج تک تمام اہل کتاب اور سبائی بلکہ تمام وہ حضرات جو پیر مغاں کے پجاری بنے رہے ہیں اور جن کے بچوں کو پیر مغاں کے نام سے حافظ صاحبان پوجتے رہے یہ سب ان صحابہ کے دشمن ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی طبقہ تمام صحابہ کا دشمن ہے اور کوئی طبقہ مخصوص صحابۂ کرام کا۔ گویا اس عداوت میں ہر دو طبقے شریک ہیں۔ خواہ وہ طبقہ حضرت علیؓ کا دشمن ہو یا امیر معاویہؓ کا۔ ہر دو طبقے صحابہ دشمنی میں مبتلا ہیں۔

صحابہ جیسے ایمان کی ترغیب

ارشادِ الٰہی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ (البقرہ۔۱۳۷)

سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہیں تب تو وہ بھی راہ (حق) پر لگ جاویں گے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ تو (ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہیں ہی تو (سمجھ لیجئے کہ آپ کی طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ۔ (۲ : ۱۳۷)

یعنی صحابۂ کرام کی طرح ایمان لانے سے گریز کی وجہ صرف ضد اور اختلاف برائے اختلاف ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں تو صحابۂ کرام کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے تو اللہ کافی ہے۔ اور جس کے لئے اللہ کافی ہو انھیں یہ اولادِ اسرائیل کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے ایمان کو معیار بنایا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں وہ ایمان قبول ہے جو صحابۂ کرام کے ایمان کے مطابق ہو۔ اگر کسی کا ایمان صحابۂ کرام کے ایمان کے مطابق نہیں تو اللہ تعالےٰ کے یہاں ان کا ایمان قبول نہیں۔

جب ایسا ایمان قابلِ قبول نہیں تو وہ ایمان کیسے قابلِ قبول ہو سکتا ہے جو صحابۂ کرام پر بہتان تراشی اور تبرّا بازی کی تعلیم دیتا ہو تو اللہ تعالےٰ کے یہاں ایسے لوگ منافقین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ ایمان جو انسان کو اس امر کی تعلیم دیتا ہو کہ امیر معاویہؓ نے احکامِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ عثمانؓ نے سنتِ رسولؐ اور ابوبکرؓ کے طریقہ کو تبدیل کر دیا تھا وہ مروان کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے، مغیرہؓ بن شعبہ نے اپنی گورنری بچانے کے لئے ولیعہدی کا شوشہ چھوڑا تھا اور اس طرح انھوں نے سیاسی رشوت پیش کی تھی (جیسے تقسیم ہند سے قبل جمہوریت اور سوشلزم لات و منات تھے، لیکن بعد میں

ان کی پوجا جائز ہوگئی۔ بلکہ عین دین وایمان بن گئی) عمرو بن العاص نے قرآن اٹھوا کر دھوکہ بازی سے کام لیا۔ اور کاتب وحی ابوموسیٰ اشعری تو اس گدھے کی طرح تھے جن پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا تھا۔ ام المؤمنین عائشہ علیہا الصلوٰۃ والسلام پر حواب کے کتے بھونکے تھے۔ عیاذاً باللہ۔ نقل کفر کفر نباشد۔ یہ وہ کفریات ہیں جو تاریخی حقائق کے نام سے قوم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ہم بعض کا جواب مذہبی داستان جلد اول میں پیش کر چکے ہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں مدنی زندگی میں ابتدا ہی میں بتا دیا کہ اگر تم ان صحابہ کرام جیسا ایمان نہیں لا سکتے تو صحابہ کرام کے لئے تو اللہ کافی ہے۔ اس کے یہاں طبری، سدی، کلبی واقدی، ابو مخنف اور مسعودی جیسا ایمان قبول نہیں۔ اور نہ ان صحابہ کرام کا ایمان طبری اور کلبی جیسے رافضی محققوں کے دعوے پر موقوف ہے۔ اور کسی شیعہ کے بارے میں یہ تصور کہ وہ اپنے دین کے نو حصے چھوڑ کر یعنی تقیہ ترک کر کے ایک حصہ پر عمل کرے گا سمجھ دار انسان کی سمجھ سے بالا تر ہے۔ لہٰذا قرآن ان صحابہ کا جو حال بیان کر رہا ہے وہ صحیح ہے اور تاریخ نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ خلاف قرآن ہونے کے باعث باطل ہے۔

اطاعتِ صحابہ

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ

(آل عمران ــ ۲۰)

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ فرما دیجئے کہ (تم مانو یا نہ مانو)
میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی۔ (۳ : ۲۰)

اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام اللہ کی اتباع میں اس مقام پر فائز ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے نبی کو ان کا شریک کار بتا رہا ہے یعنی جس طرح اتباع الٰہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں بعینہٖ صحابہ کرام نبی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جس طرح یہ بات شک وشبہ سے بالا تر ہے کہ نبی فی الحقیقت اللہ کا متبع ہے۔ اسی طرح

صحابہ کی اتباع بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اور جس طرح صحابہ اللہ کے تابعدار ہیں۔ اسی طرح وہ نبی کے بھی متبع ہیں۔ بلکہ اس اتباع میں انھیں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کے ساتھ ان کے متبعین کا بھی ذکر فرمایا۔ اور اتباع الٰہی میں انھیں اپنے نبی کے ساتھ شریک کیا۔ اب جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور اتباعِ الٰہی میں شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان صحابہ کے متبع الٰہی اور متبع رسول ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

اب جو شخص ان کے اتباع الٰہی میں شک کرتا ہے دراصل وہ قرآن کا منکر ہے اور اللہ تعالےٰ کے فرمان کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کا ایمان تقیہ پر مبنی ہے۔ اسی لئے اہلِ تقیہ خود کو مسلم کہنا ایک گناہ سمجھتا ہے۔

پھر بقیہ کفار اور اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ اگر یہ لوگ واقعتاً اسی قسم کا اسلام قبول کر لیں جس میں اللہ اور اس کے رسول کی پوری اتباع ہو تو یہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔

یعنی ان لوگوں کی نجات اس امر پر موقوف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور صحابۂ کرام کا طرزِ عمل اختیار کریں اور اگر وہ اپنی ضد پر قائم ہیں تو انھیں عذابِ الٰہی کی بشارت سنا دیں۔

حاصل کلام یہ کہ صحابۂ کرام کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی فرد اور نہ کوئی جماعت نہ سلطنت اور نہ اقتدار۔ بلکہ یہ حضرات ہر آزمائش سے گزر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنا سب کچھ اسلام کی راہ میں قربان کر دیا ہے۔ اگر یہ حضرات ان صفات سے متصف نہ ہوتے تو ان کی پیروی اور اتباع لازم نہ ہوتی اور ان کے مخالف کو عذاب جہنم کا مستحق نہ ٹھہرایا جاتا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صحابۂ کرام کا ہر فیصلہ ہمارے لئے باعثِ تقلید ہے۔ ہاں اگر ان میں کسی مسئلہ میں باہم اختلاف ہو تو اس میں گنجائش ہے کہ خواہ کسی جماعت کی تقلید کی جائے۔ لیکن دوسرے گروہ کو غلط کار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اجتہاد میں غلطی ممکن ہے جو صحابۂ کرام سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور ہم سے بھی ممکن ہے یعنی ہم جس فریق کے قول کے مطابق فیصلہ کر رہے ہیں ہو سکتا ہے حق اسی کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح ہمارا یہ فیصلہ بھی اجتہادی ہوگا۔

اور اجتہادی فیصلہ چونکہ عقل سے کیا جاتا ہے۔ جو بذریعہ وحی نہیں ہوتا لہذا ہمارے ہر فیصلہ میں دو احتمال ہوں گے۔ یہ فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط اور ممکن ہے ہم جسے صحیح سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہو۔

صحابہ کو گمراہ نہیں کیا جا سکتا

ہمارے معاشرے میں آجکل مخالفتِ مذہب کی ایک وبا پھیلی ہوئی ہے اور ہر طرف لامذہبیت کا پرچار ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ سب عیسائیوں اور یہودیوں کی کرشمہ سازیاں ہیں جس نے پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مخالفتِ اسلام میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دن رات اس کوشش میں لگے رہے کہ جو لوگ اسلام لا چکے ہیں ان حضرات کو اسلام سے کس طرح منحرف کیا جائے لیکن چونکہ یہ حضرات صحبت رسول سے فیض یافتہ تھے۔ لہذا اہل کتاب کے تمام ہتھکنڈے بے کار ثابت ہوئے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ (آل عمران ۶۹)

دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس امر کو کہ تم کو (دین حق سے) گمراہ کر دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو اور اس کی اطلاع نہیں رکھتے۔ (۳ : ۶۹)

اہلِ کتاب کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی صحابۂ کرام کو گمراہ نہ کر سکا۔ کیونکہ صحابہ کی حفاظت اللہ کر رہا تھا۔ لہذا وہ صحابہ کو گمراہ کرنے پر قدرت نہ پا سکا۔

اس لئے یہ اصول سامنے آیا کہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور وہ خوش قسمت لوگ ہوں گے جو ان اہل کتاب کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں۔ ورنہ ہمارے زمانہ میں تمام مسلمان اہل کتاب کے چکروں میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے۔

صحابہ کی شیطان کے شر سے حفاظت

یہ وہ خوبی ہے جو تمام اوصاف حسنہ کی جامع ہے مثلاً علم و عمل۔ زہد و تقویٰ، عدالت و امانت، شجاعت و سخاوت، صداقت، اخلاق عالیہ اور ایفائے عہد وغیرہ اور طبقہ صحابہ تمام خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو اس انداز میں بیان فرمارہا ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ
اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النسآء ۸۳)

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے۔ تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے۔ (۴ : ۸۳)

اس آیت کریمہ میں متعدد امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ منافقین غلط خبریں پھیلاتے تھے۔ انھیں اس سے روکا گیا اور ہدایت کی گئی کہ جو بھی اور جس قسم کی بھی خبر ہو وہ پہلے اس کی اطلاع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ اگر آپ موجود نہ ہوں تو آپ کے نائبین کو اطلاع دیں۔ وہ غور و فکر کے بعد جو فیصلہ دیں اس پر عمل کیا جائے۔

۲۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اے صحابہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم بھی شیطان کی اتباع میں لگ جاتے صرف تھوڑے سے افراد اس سے محفوظ رہتے۔

۳۔ صحابۂ کرام پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اسی لئے وہ منافقین مدینہ کے ہتھے نہ چڑھ سکے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام کو اپنے فضل و کرم سے شیطان کے شر سے محفوظ فرما دیا۔ اب کوئی طاقت انھیں گمراہ نہیں کرسکتی۔

ہمیں حیرت ان لوگوں پر ہے جو صحابہ کرام کو گمراہ، فاسق، راشی، بے دین، دھوکہ باز بے ایمان، قرابت نواز اور بکاؤ مال تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت کے لئے وہ روایات پیش کرتے ہیں۔ جو واقدی، طبری اور مسعودی جیسے رافضیوں نے پیش کی ہیں اور انھیں ثبوت کے طور پر پیش کر کے صحابہ کرام کو بدنام کرتے ہیں مثلاً عثمانؓ قرابت نواز تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ چال باز تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے سبائی اور تبرائی لوگ صرف صحابہؓ کے دشمن نہیں بلکہ وہ قرآن کے دشمن ہیں جو ان تبرائی روایات کے پرچے اڑا رہا ہے۔ دراصل یہ لوگ تاریخی روایات کے پردے میں اسلام دشمنی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں اور سادات کے نام سے علوی جو کھیل کھیلتے رہے ہیں ان پر پردہ ڈالا جا رہا ہے۔

جہاد کی تڑپ

ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران ۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔ (۳ : ۱۷۲)

ان آیات کریمہ سے یہ امر واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام کس درجہ بھادرہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے اور کس درجہ شہادت کے متمنی تھے کہ جنگ کی خوفناک خبر سنتے ہی مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور دشمنوں کو ذرہ برابر خاطر میں نہ لائے حالانکہ دشمن ساز و سامان سے لیس اور تعداد میں کئی گنا زیادہ تھے۔ گو صحابہ کرام زخموں سے چور تھے اس کے باوجود مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور موجودہ دور کے دعویداران اسلام کی طرح ہزارہا عذر اور بہانے نہیں تراشے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب صحابہ کرام جنگ احد سے شکست کھا کر آئے تھے اور کفار کے دوبارہ حملے کی خبر مشہور ہوئی تھی۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جنگ میں کوئی ایسا شخص شریک نہ ہو جو احد میں شریک نہ تھا نتیجتاً وہ پورا لشکر زخمیوں کا تھا بقول بعض کچھ صحابہ اس میں ایسے بھی شریک تھے جو زخموں کے باعث اپنے قدموں پر چلنے سے بھی معذور تھے۔ انھیں دیگر صحابہ اپنی پشت پر لادے ہوئے تھے۔ گویا یہ پورا لشکر زخمیوں کا لشکر تھا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی فضیلت بیان فرمائی۔

غور طلب امر یہ ہے کہ جن حضرات کا کردار یہ رہا ہو اور اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہو۔ کیا ان حضرات سے یہ ممکن ہے کہ حکومت وقت کے دباؤ میں آکر یا مال اور اقتدار کے لالچ میں حق کا ساتھ چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیں حاشا وکلا۔

بلکہ قرآن نے گذشتہ آیت میں اس امر کی وضاحت کی تھی کہ یہ لوگ طاقت وقوت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے وقت میں ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ہمارے مورخین جو زیادہ تر سبائی ہیں یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ صحابہ ڈر کے مارے سب بلوں میں گھس گئے یا صاحب اقتدار کی چاپلوسی میں لگ گئے۔ حالانکہ ان حضرات نے سبائیوں کے ذریعہ اقتدار قبول نہ کیا تھا۔ خواہ اس اقتدار کے نام سے کوئی بھی میدان میں آئے۔

ہماری تاریخ قرآن کے برعکس یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ صحابہ نہایت بزدل۔ کمزور اور طاقت کے پجاری تھے۔ اسی لئے ان حضرات نے یزیدؓ کا ساتھ دیا اور حسینؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (اور یہ سب دین سے منحرف ہو گئے) دین کی سرفروشی کے لئے صرف حضرت حسینؓ کھڑے ہوئے کیونکہ بقول شاعر ؎

سر داد نہ داد دست در دست یزید ٭ حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

حالانکہ غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت حسینؓ یزیدؒ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے چکے تھے۔ مندرجہ بالا شعر کے دوسرے مصرعہ میں شاعر نے اپنا سبائی نقطہ نگاہ واضح طور پر بیان کر دیا کہ اصل دین تو یہ ہے کہ کوئی اللہ نہ ہو کیونکہ حسین نے لا الہ کی بنیا درکھی تھی۔ اور الا اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔ دراصل یہ شعر ایک ایرانی شاعر معین الدین کاشانی کا ہے جبکہ مشہور یہ کر دیا گیا کہ یہ شعر خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ہے۔ اور تبرائی شعراء خدا تو مانتے ہیں لیکن اللہ کسی کو نہیں مانتے اور خدا بہت سے ہو سکتے ہیں۔ خود ایرانی دو خداؤں کو پوجتے رہے ہیں سر من

یزداں۔ اور ہندوستان میں ہمایوں کے ساتھ آنے کے بعد بادشاہوں کو خداوند جل وعلا کہتے رہے اور اس طرح خدائیت کا پرچار کرتے رہے۔

اس سبائی فلسفہ کے تمام تار و پود اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں صحابہ کرام کی شان بیان کرتے ہوئے بکھیر دیئے ہیں۔

صحابۂ کرام "رحماء بینھم"

ارشاد الٰہی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (الفتح۔۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ (۴۸ — ۲۹)

یہی اخوت، نرمی اور بھائی چارہ صحابہ کو ظالم و جابر سے ممتاز کرتا ہے۔ ظالم قسم کے انسان کسی پر رحم نہیں کرتے۔ معمولی سی ذاتی ناراضگی کی بنا پر بے دریغ خون بہاتے ہیں۔ مگر صحابۂ کرام وہ نادر ہستیاں ہیں جو کفار سے جنگ میں بہت سخت اور باہم دگر رحم دلانہ سلوک اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اسلام، قطار در قطار عالم میں نہ پھیلتا۔ ایک اور مقام پر ان صحابہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط (المائدہ۔۵۴)

مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر۔ تیز ہوں گے کافروں پر، جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ (۵ : ۵۴)

چونکہ صحابہ دیگر مومنین کے ساتھ نرم اور کفار کے بالمقابل سخت ہیں۔ ہر وقت اللہ کی

راہ میں جہاد کرتے ہیں اور دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کرتے یہ ان پر اللہ کا ایک فضل ہے۔ اور وہ اپنا فضل جس کو چاہے عطا کرتا ہے۔

قرآنِ کریم نے صحابۂ کرام کے اوصافِ جمیلہ ایسے واضح اور روشن الفاظ میں بیان کئے ہیں کہ ان کے اوصاف سے صرف وہی شخص انکار کر سکتا ہے جس کا قرآن پر ایمان نہ ہو۔ اور وہ شیعہ مورخین کی کہانیوں کو اللہ کے کلام پر ترجیح دیتا ہو۔ اور چونکہ فرقہ سبائیہ قرآن کا منکر ہے لہٰذا وہ انکارِ قرآن کے لئے یہ تاریخی کہانیاں وضع کرتا ہے۔

بظاہر لوگ ان کہانیوں کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور نتیجتاً صحابہ سے دل میں بغض رکھتے ہیں ہمارے بہت سے اہلِ سنت والجماعت حضرات امیر معاویہؓ کو فاسق و فاجر کہتے ہیں اور ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کی اتباع نہیں کی۔ اسی طرح صوفیاء کا وہ طبقہ جو حضرت علیؓ کو امام الاولیاء مانتا رہا ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ خلفاءِ ثلاثہ صرف ظاہری طور پر خلیفہ تھے اصل خلافت تو علیؓ کی تھی۔ اسی لئے وہ حضرت علیؓ کو مشکل کشا کے لقب سے یاد کرتا ہے حالانکہ از روئے قرآن اللہ کے علاوہ کسی کو مشکل کشا سمجھنا کفر ہے۔

الغرض یہ ولایت کا پجاری طبقہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اور اس طرح یہ طبقہ تمام صحابہ کی فضیلت اور ان کے مقام کا منکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۠ (الفتح ۲۹)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے

مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اسے مخاطب تو ان کو دیکھے گا
کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالٰے کے فضل اور رضامندی
کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں
یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی
اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے
تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے
کافروں کو جلادے اللہ تعالٰے نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں
اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔ (۴۸ : ۲۹)

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اہل حدیبیہ کفار کے معاملہ میں بہت سخت ہیں جیسے شیر اپنے شکار پر بہت سخت ہوتا ہے۔ البتہ باہم بہت رحم دل ہیں۔ اے نبی آپ انھیں ہر وقت رکوع اور سجدے میں پائیں گے۔ یہ ہر وقت اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشانات ہیں۔ ان کی یہ تمثیل تورات میں پائی جاتی ہے اور انجیل میں بھی ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح ہے۔

در اصل اللہ تعالٰے اپنے ان مؤمنین اور نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

ابو عروۃ الزبیری نے جو حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے تھے امام مالک کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا جو بعض صحابہ کی تنقیص کر رہا تھا۔ امام مالک نے یہ آیت لیغیظ بھم الکفار تک پڑھی اور فرمایا جس شخص نے اس حال میں صبح کی اور اس کے دل میں کسی صحابی کی جانب سے غصہ ہے تو وہ اس آیت کے تحت داخل ہے۔

امام مالک نے یہ بات بہت عمدہ فرمائی۔ جس نے صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کی یا روایت حدیث میں کسی صحابی پر طعن کیا تو اس نے رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کی شریعت کو باطل ٹھرایا۔ حالانکہ اللہ تعالٰے نے فرمایا محمد رسول اللہ الآیہ اور فرمایا لقد رضی اللہ عن المؤمنین الآیہ۔ یہ تمام آیات صحابہ کی ثنا بیان کر رہی ہیں اور صحابہ کی صداقت

اور فلاح کی شہادت دے رہی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ اور فرمایا للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا الآیۃ۔ یعنی صحابہ نے جو بھی کام کیا وہ اللہ کے علم میں تھا اور ان کا انجام بھی نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ ثواب حاصل نہیں کر سکتا جو میرے کسی صحابی نے ایک مد بلکہ آدھا مد اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔

عویم بن ساعدہ نے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ عز و جل نے مجھے پسند کیا اور میرے لئے میرے صحابہ کو پسند کیا۔ پھر ان میں سے کچھ کو میرا وزیر، کچھ کو میرا داماد اور کچھ کو میرا سسر بنایا۔ پس جو شخص ان میں سے کسی کو برا کہے اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ نہ تو اللہ تعالیٰ ان سے کوئی نفل قبول فرمائے گا اور نہ اللہ کی راہ میں ان کا خرچ کرنا۔

اس آیت شریفہ میں خاص طور پر اللہ نے فرمایا ہے یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ یہ مومنین اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں تو جب یہ صحابہ کرام ہر وقت اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام ایسے افعال سرانجام دیں جو سراسر رضائے الٰہی کے خلاف ہوں۔ اور کم از کم ان صحابہ سے تو یہ ممکن نہیں کہ جن صحابہ کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں ہیں یہ آیت تو ان صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بیعت رضوان میں شریک تھے جن کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی۔

ان شرکائے بیعت رضوان میں سے متعدد صحابہ حیات تھے۔ جب یزید کی بیعت لی گئی اور ان صحابہ نے یزید کی بیعت کی اور حضرت حسین کے اقدام کو خروج قرار دیا۔ اور کسی نے حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ مثلاً حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، عبداللہ بن ابی اوفی، عبداللہ بن مغفل انسؓ بن مالک، عمرانؓ بن حصین، سلمۃ بن الاکوع جابرؓ بن عبداللہ سہل بن سعد، ابوسعیدؓ خدری اور براءؓ بن عازب وغیرہ۔ ان سب حضرات نے یزید کی بیعت کی۔ گویا یہ بیعت بھی اتباع رضائے الٰہی میں تھی۔ اگر یزید ان ہی عیوب کا مجموعہ ہوتے جو ہمارے

سبائی مورخین نے بیان کیے ہیں تو یہ حضرات اس کی ہرگز بیعت نہ کرتے۔ یقیناً ان حضرات نے یزید میں بجز اس کے کوئی خامی نہ دیکھی کہ وہ اس مرتبہ پر نہ تھا جو صحابی میں پایا جاتا ہے اور بقول محمد بن علی بن ابی طالب

مارایت ازھد واتقی وملازما للسنۃ ومتبعا للخیر

میں نے یزید سے زیادہ زاہد و متقی، پابند سنت اور نیکیوں کا متبع کوئی نہیں دیکھا اور یہ محمد بن علی تاریخ میں محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرات حسن و حسین کے بھائی ہیں۔ صرف ماں ... اگانہ ہے۔ اور انھوں نے یزید کی بیعت کی۔ اگر یزید صحابہ کی موجودگی میں حقدار خلافت نہ تھا تو سابقہ ہستیوں کی موجودگی میں حسین بھی حقدار خلافت نہ تھے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر ان کے چچا عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر زیادہ حق رکھتے تھے۔ اور حق بات یہ ہے کہ ایک امیر کی بیعت ہو جانے کے بعد اس امت میں کسی کو بغاوت کا حق نہیں پہنچتا۔ بلکہ ہر شخص پر کسی امیر کی اطاعت فرض ہوتی ہے تاکہ ملت کا اتحاد قائم رہے۔ حضرت حسینؓ نے اس اتحاد کو ایرانیوں کی شہ پر پارہ پارہ کرنا چاہا لیکن قادسیہ میں عراقیوں کی صورت حال دیکھ کر حکومت کے سامنے تین شرطیں پیش کر دیں۔

(۱) یا مجھے مدینہ واپس جانے دیا جائے۔ (۲) یا سرحدات پر جہاد کے لئے جانے دیا جائے۔ (۳) یا مجھے اپنے چچا زاد بھائی یزید کے پاس دمشق جانے دیا جائے۔ نتیجتہً انھیں دمشق جانے کی اجازت مل گئی۔ اور ۲۲ صفر کو سرزمین نینوا میں سنان بن انس جیسے رافضیوں نے انھیں شہید کر دیا اور اس وقت دمشق صرف چالیسؔ میل رہ گیا تھا۔ اور کربلا میں جو ماتم منایا جاتا ہے غالباً یہ رستم ایران کا ماتم ہے جسے میدان قادسیہ میں حضرت سعدؓ کے غلام نے قتل کیا تھا۔ یہ جنگ قادسیہ بھی محرم میں ہوئی اور کربلا قادسیہ کے قریب ہے۔ اور چونکہ وہ رستم کا مقتل ہے اسی لئے یہ واویلا آج تک ختم نہیں ہوتا۔

صحابہ کا راستہ چھوڑنے پر وعید

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء-۱۱۵)

اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ (۴: ۱۱۵)

اس آیت میں جہنم میں داخل ہونے کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ نزول ہدایت کے بعد رسول کی نافرمانی۔

۲۔ مومنین کا طریقہ چھوڑ کر کسی اور راستہ کی اتباع۔

یہ دو راستے ہیں جو انسان کو جہنم تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو نبی کی اقتدا نہ کریں۔ اور صحابہ کرام کے طریقہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کریں تو ہم انہیں جہنم میں جھونک دیں گے۔

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز دنیا سے ضرور تشریف لے جانا تھا۔ اب حضورؐ کی سنت کو پہچاننے کا واحد ذریعہ صحابہ کرام کی ذات گرامی تھی۔ لہذا صحابہ کرام کی اتباع امت پر لازم کر دی گئی۔ اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ صحابہ کرام کی دشمنی رسولؐ کی دشمنی ہے۔ اور دشمنان صحابہ کا مقام جہنم ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اجماع شرعی حجت ہے جس کا جاننا اور تسلیم کرنا فرض ہے اور جو شخص ان کا طریقہ کار چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا تو وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ ان میں تمام خوبیاں جمع ہیں اور یہ حضرات ہمہ صفت موصوف ہیں اور اتباع انہی لوگوں کی ہوتی ہے جن میں اوصاف حمیدہ جمع ہوں۔

مفسر بیضاوی رقم طراز ہیں۔

اذا کان اتباع غیر سبیلھم محرما کان اتباع سبیلھا

فاذا بان شرك اتباع سبيلهم من عرف سبيلهم اتباع غير سبيلهم۔ (بیضاوی جلد ۱ ص ۲۰۷)

جب اللہ کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کی اتباع حرام ہوئی تو ان کی راہ کی اتباع واجب ہوئی کیونکہ ان کی اس راہ کی اتباع جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ ان کی اتباع ہے اس سے دوسروں کی راہ کی اتباع لازم آتی ہے۔

مفسر بیضاوی اس سے چند سطور قبل تحریر فرماتے ہیں۔

والآیۃ تدل علی حرمۃ مخالفۃ الاجماع لانہ سبحانہ وتعالے رتب بالوعید الشدید علی المشاقۃ واتباع غیر سبیل المؤمنین۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع صحابہ واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی راہ ترک کرنے والوں پر وعید شدید فرمائی ہے کہ وہ غیر مومنین کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔

یعنی جب صحابہ کی راہ کے خلاف کوئی راہ اختیار کرنا حرام ہے تو ان کی اتباع واجب ہوئی کیونکہ جس نے ان کی راہ کو پہچان لیا اور پھر بھی ان کی راہ پر نہ چلا تو یہ ان کی راہ کا ترک ہوا اور کسی اور کی اتباع ہوئی۔ جو حرام ہے۔

مقصد یہ کہ وہ اس بات کو جانتا ہو کہ ان کی پیروی ضروری ہے اور اس کے باوجود ان کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرتا ہے تو یہ بھی ان کی ترک اتباع ہے۔ اور ایسا شخص مجرم ہے اور جہنم کا مستحق ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اکابر علماء نے اس آیت سے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ اجماع امت واجب ہے اور اس کا مخالف جہنمی ہے۔ احکام میں یہ آیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ از روئے فقہ احکام شرعیہ کے چار ماخذ ہیں۔

کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ۔ اجماع صحابہ اور قیاس۔

اجماع صحابہ کو اجماع امت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فقہی مسائل ایسے ہیں جو

اجماع صحابہ سے ثابت ہیں ان میں سے بیس رکعت تراویح۔ جمعہ کی پہلی اذان۔ اور رمضان میں وتر مع الجماعت وغیرہ۔

اس اصول کو ذہن نشین کر لینے کے بعد صحابۂ کرام کے کسی فیصلہ کو ٹھکرانا اور اس کا انکار کرنا صریح گناہ ہے اور ایسا شخص جہنم کا مستحق ہے۔

اسی طرح صحابۂ کرام کے سیاسی فیصلے بھی حجت شرعیہ اور واجب الاتباع ہیں۔ اگر صحابۂ کرام نے کسی خلیفہ کی بیعت کر لی تو وہ خلافت شرعیہ ہوگی۔ اور اس کی اطاعت فرض ہوگی جیسا کہ تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کی۔ اور چند صحابہ کے علاوہ تمام صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا۔ تو امیر معاویہ کی بیعت حجت شرعیہ ہوئی۔ اور ان کی مخالفت گناہ ہوگا۔

اسی طرح امیر معاویہؓ کے صاحبزادے یزیدؒ کی بیعت کا درجہ ہوگا۔ کیونکہ جو صحابہ حیات تھے ان سب نے ان کی بیعت کی اور حضرت حسین کے اقدام کو سب نے غلط ٹھرایا۔ اب جو شخص یہ تصور کرتا ہے کہ حضرت حسین نے حق کی خاطر جان دی تو دوسرے الفاظ میں حقیقتاً یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تمام صحابہ اور ان کا ساتھ دینے والے گمراہ تھے جبکہ صحابہ کی اتباع واجب ہے اور ان کی اتباع کو ترک کرنے والا جہنم کا مستحق ہے۔ اور ان کی اتباع کا ترک تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔ لہٰذا دینداری اس میں ہے کہ صحابہ کو حق پر سمجھا جائے۔

یہ کہنا کہ صحابۂ کرام نے کسی دنیاوی سبب یا سیاسی مصلحت کی بناء پر بیعت ترک کی ہوگی تو یہ صحابۂ کرام کی ان قربانیوں پر پانی پھیر دینا ہے جس کا ثبوت قرآن کریم پیش کر رہا ہے۔ کیونکہ از روئے قرآن صحابہؓ کا ہر کام رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ دین کے علاوہ ان کا کوئی مقصود نہ تھا۔ ان کی پوری زندگی کا محور صرف دین تھا۔ اس لئے ان کے خلوص میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے ان کی دیانت و عدالت کی گواہی جگہ جگہ قرآن نے دیدی۔ ان کی عدالت پر شک کرنا قرآن کا صاف انکار ہے۔ اور اور حسین صحابی نہیں بلکہ حضورؐ کی وفات کے وقت صرف دو سال کے بچے تھے۔ اور

اگر وہ صحابی بھی ہوں تو ہمیں ایک یا دو صحابی کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اجماع صحابہ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور تمام صحابہ نے یزیدؒ کی بیعت کی سوائے عبداللہ بن الزبیر کے جو حضورؐ کی وفات کے وقت آٹھ سالہ بچہ تھے۔

حضرت حسینؓ کے بارے میں یہ تصور کہ انھوں نے حق کی خاطر جان دی یہ شیعوں کا پھیلایا ہوا تصور ہے کیونکہ ان کے نزدیک حق سے مراد حق خلافت ہے۔ اور جب حق خلافت حاصل نہ ہوسکا تو لوگوں میں یہ پھیلایا گیا کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں خلافتِ ظاہرہ اور خلافتِ باطنہ۔ اسی باعث آج تک اکثر صوفیاء خلافت ظاہرہ کو کوئی درجہ نہیں دیتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جتنے علوم باطنہ حضورؐ کو دیئے گئے تھے آپ نے وہ سب علیؓ کو دیدیئے۔ بیچارے صحابہ کو کچھ بھی خبر نہ تھی اور یہ خالص شیعہ مذہب ہے جس میں ہمارے تمام سنی پیر مبتلا ہیں۔ اسی لئے سنی کا ترجمہ یہ کیا گیا جو سُن کر ایمان لائے۔ حالانکہ اہلِ سنت والجماعت ان صحابہ اور تابعین کو کہا گیا تھا جنھوں نے امیر معاویہ کی بیعت کی تھی۔ اور حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی تھی۔ لہٰذا سنی وہ ہے جو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ اور یزیدؒ پر ایمان رکھتا ہو اور ان حضرات کی خلافت کو برحق مانتا ہو۔

جہاد کی ترغیب

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الفتح ـ ۱۶)

آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالےٰ نیک عوض (یعنی جنت) دے گا اور اگر

تم اس وقت بھی روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے قبل روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ (۴۸ : ۱۶)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، عطا بن ابی رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور عطا الخراسانی کا بیان ہے کہ اس سخت قوم سے مراد اہل فارس ہیں جبکہ کعب احبار، حسن بصری اور عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ اس سے مراد روم ہے۔

رومیوں سے جنگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں شروع ہوئی اور عمرؓ کے زمانہ میں ختم ہوئی لہٰذا ان دو امیروں کی اطاعت فرض ہوئی اور وہ شخص جس نے روم سے جنگ کرنے سے انکار کیا وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوا۔ ان جنگوں میں سرکردہ لوگ حضرت ابو عبیدہؓ، خالدؓ بن الولید، عمروؓ بن العاص، یزیدؓ بن ابی سفیان اور امیر معاویہؓ وغیرہ رہے۔

اگر اس سے مراد فارس ہے تو اس جنگ کی ابتدا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوئی اور خلافت عثمانؓ تک جاری رہی لہٰذا ان تینوں خلفاء کی اطاعت واجب ہوئی اور ان امراء کی اطاعت بھی واجب ہوئی جو ان جنگوں کے قائد رہے۔ جیسے مثنیٰؓ بن حارثہ، خالدؓ بن الولید، سعدؓ بن ابی وقاص، اور ابو موسیٰؓ اشعری وغیرہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

اس لحاظ سے اس آیت کے تحت حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانؓ غنی ہر سہ افراد شامل ہیں۔ اور جس شخص نے ان کی بیعت سے انکار کیا یا اندرون خانہ ان سہ حضرات کے خلاف کوئی سازش کی وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب عظیم کا مستحق ہے اور جب ان حضرات کی مخالفت عذاب عظیم کا سبب ہوئی تو انھیں شہید کرنا تو اس سے بھی زیادہ عذاب کا مستحق ہوا۔ جیسے حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کو شہید کرنا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ

طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الصف ۱۰-۱۳)

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (جب ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کریگا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں (داخل کرے گا) جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (بنے) ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے اور (اس ثمرہ اخرویہ کے علاوہ) ایک اور ثمرہ (دنیاویہ) بھی ہے کہ تم اس کو بھی خاص طور پر پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی (اور اے پیغمبرؐ) آپ مومنین کو بشارت دے دیجئے۔ (۶۱: ۱۰-۱۳)

اے ایمان والو کیا تمہیں ایسی تجارت کی نشان دہی نہ کی جائے جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھو تو یہ تمھارے لئے بہت بہتر ہے۔ اگر تم یہ کام انجام دو گے تو اللہ تمھارے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور تمہیں جنت عدن میں پاکیزہ مکانات بھی ملیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور بھی دیگر اشیاء تمہیں ملیں گی جنھیں تم محبوب رکھتے ہو۔ اللہ کی جانب سے تمہیں نصرت بھی حاصل ہو گی اور قریب فتح بھی حاصل ہو گی۔ اور آپ ان مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اس قسم کی آیات کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے جو کہانیاں نقل کی ہیں ان میں سے ایک جادو کی کہانی مفسر قرطبی کی زبانی سن لیجئے۔ قرطبی کا بیان ہے کہ ابوالحسین الآجری نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے عمرانؓ بن حصین اور ابوہریرہؓ سے اس آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً کی تفسیر دریافت کی انھوں نے فرمایا تو نے خبردار لوگوں سے دریافت

کیا ہے۔ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔آپ نے فرمایا جنت میں ایک محل ہوگا جو موتیوں سے بنا ہوگا جس میں ستر سرخ یاقوت کے گھر ہوں گے۔ ہر گھر میں سبز زبرجد کے کمرے ہوں گے۔ ہر کمرے میں ستر تخت بچھے ہوں گے۔ ہر تخت پر ستر بستر ہر رنگ کے بچھے ہوں گے اور ہر بستر پر ستر حور عین ہوں گی۔ ہر گھر میں ستر دستر خوان بچھے ہوں گے، ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہوں گے۔ اور ہر کمرے میں ستر غلام اور باندیاں ہوں گی اور اللہ تعالےٰ مؤمن کو ایک صبح میں اتنی قوت عطا فرمائیگا جتنی تمام مخلوق کو عطا نہ کرے گا۔(قرطبی ص۵۶۷ جلد ۸)

ہم تو اس روایت سے یہ سمجھے ہیں کہ کسی شہوت کے مارے نے یہ روایت وضع کی ہوگی اور حسن بصری نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمرانؓ بن حصین کو دیکھا تک بھی نہیں اور ویسے بھی حسن بصری تدلیس میں مشہور زمانہ ہیں۔ ہم نے ناظرین کو انہی تفاسیر کا ایک ادنیٰ نمونہ دکھانے کے لئے یہ روایت پیش کردی ہے۔

فتح قریب سے مفسر قرطبی کہتے ہیں دنیا میں جلد حاصل ہونے والی غنیمتیں مراد ہیں۔ ابو عباسؓ کہتے ہیں فتح قریب سے مراد فارس اور روم کی فتح ہے۔

مہاجرین کو جنگ کی اجازت

ارشادِ الٰہی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (الحج ۳۹-۴۰)

(اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے)

لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے) جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک کا دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا رہتا تو (اپنے اپنے زمانہ میں) نصاریٰ کے خلوت خانہ اور عبادت خانہ اور یہود کے عبادت خانہ اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ وہ جس کو چاہے غلبہ اور قوت دے سکتا ہے۔) (۲۲ : ۳۹-۴۰)

ضحاکؒ کا قول ہے کہ جب مکہ میں مسلمانوں کو اذیت پہنچائی گئی اور صحابہ ہجرت کرکے مدینہ آگئے تو قتال کی اجازت دی گئی۔ اور یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ اور سعیدؒ بن جبیر کا کہنا ہے کہ یہ آیت ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی۔

نسائیؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکالے گئے تو ابو بکرؓ بولے ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے اب یہ سب ہلاک کئے جائیں گے لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے اسی وقت جان لیا تھا کہ اب قتال ہونا ہے۔ ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

ابن العربی لکھتے ہیں، ہمارے علماء لکھتے ہیں کہ بیعت عقبہ سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جنگ کی اجازت دی گئی اور نہ آپ کے لئے خون بہانے کی اجازت تھی۔ صرف آپ کو حکم یہ تھا کہ آپ اذیتیں برداشت کریں۔ جہلاء سے اعراض کریں اور اللہ سے دعا کریں۔ تقریباً دس سال تک یہی حالت رہی۔ حتیٰ کہ قریش نے ان لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ جن میں سے کچھ مجبور ہو کر حبشہ چلے گئے، کچھ نے مدینہ کی راہ لی اور کچھ اذیتیں

برداشت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ آنے کے بعد مومنین کو قتال کی اجازت دی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں چند امور کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۔ یہ قتال کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان مہاجرین پر ظلم کیا گیا تھا۔

۲۔ جتنی عبادت گاہیں ہیں وہ اسلام میں علی حالہ قائم رہیں گی۔

۳۔ مساجد اس لئے ہوتی ہیں کہ ان میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جائے۔

۴۔ یہ مہاجرین صرف اس لئے شہر بدر کئے گئے کہ یہ صرف اللہ کو اپنا رب مانتے تھے۔

یعنی اگر یہ مہاجرین مکہ مثلاً امام ابوبکرؓ، امام عمرؓ، امام عثمانؓ اور دیگر حضرات ہجرت نہ کرتے تو انہیں قتال کی اجازت نہ دی جاتی۔ گویا قتال مکہ کی تیرہ سالہ مشکلات کے باعث دیا گیا۔

ان آیات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب بھی اور جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو تو بقیہ دیگر مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

صحابہ کی شجاعت

شجاعت وہ وصف ہے جس کے بغیر کوئی قوم باعزت طور پر زندہ نہیں رہ سکتی اس جذبہ کے بغیر امور سلطنت ادران کے پروگراموں کو تشکیل دینا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس کی بہت بڑی حیثیت ہے۔

مسلمان جب تک اس جذبہ سے سرشار رہے کامیاب و کامران رہے۔ اور فتح و نصرت ان کے قدم چومتی رہی۔ صحابہ کرام کی مثال تو پوری تاریخ میں نہیں ملتی ان حضرات میں ایسے مشہور سپہ سالار گزرے ہیں جن کی مثال پوری تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام، حضرت خالدؓ بن الولید، حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح فارس، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان فاتح حمص اور امیر معاویہؓ فاتح افریقہ۔ یہ وہ یادگار ہستیاں ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

قرآن نے صحابہ کرام کی ان خوبیوں کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ (التوبہ۔ ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی اور وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) (۹: ۱۱۱)

جب صحابہ کی یہ شان تورات و انجیل اور قرآن میں پائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کے جان و مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں اور ان کے دو کام ہیں۔ یا اللہ کی راہ میں قتال کرنا یا قتل ہونا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ نے ان سے جنت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ اور ان حضرات کی یہ شان قرآن، تورات اور انجیل میں پائی جاتی ہے۔

حضرت خالدؓ بن الولید نے ایک سالار کو ایک خط تحریر کیا۔

ان معی قوم یحبون الموت کما تحبون الحیات

میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو موت کو اس طرح پسند کرتے ہیں جس طرح تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بھی واضح فرما دیا کہ تمام صحابہ جنتی ہیں اور گمراہوں کا ٹھکانہ جنت نہیں بلکہ جہنم ہوتا ہے جو ان صحابہ کو گمراہ قرار دے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ صحابہ کی یہ شان نہ صرف قرآن میں بیان کی گئی ہے بلکہ سابقہ کتب یعنی تورات و انجیل میں بھی بیان کی گئی تھی۔ اور یہ آیت مدنی ہے اور اس آیت کے تحت مہاجرین و انصار داخل ہیں۔ گویا اللہ تعالےٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ لے لیا ہے۔ خواہ وہ امیر معاویہ ہوں یا جابر بن عبداللہ جنھوں نے حسینؓ سے یہ کہا تھا۔ اے حسین بغاوت نہ کرو۔

صحابہ کی عسکری صلاحیتیں

ارشادِ الٰہی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (الانفال ۶۵ - ۶۶)

اے پیغمبر آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور (اسی طرح) اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاویں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔ (۸ : ۶۵-۶۶)

یہ آیات سورۂ انفال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سورت میں جنگ بدر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور چونکہ اس جنگ میں صحابۂ کرام کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں ایک تہائی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو پہلے سے بشارت دیدی تھی۔ کہ کامیابی کا سہرا تمہارے سر ہی بندھے گا اور تم یقیناً فتح یاب ہو گے۔ اس لئے کہ اے صحابہ تمہارے لئے ہمارا اصول یہ ہے کہ اگر تمہاری تعداد بیس ہو گی تو تم دو سو پر غالب آؤ گے اور اگر تمہاری تعداد سو ہو گی تو تم ایک ہزار پر غالب آؤ گے۔ لیکن اس میں تمہاری ثابت قدمی کی شرط

ہے۔ اور اے صحابہ تمھارے لئے ہمارا کلیہ یہی ہے۔

لیکن کسی جماعت کے تمام ارکان ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے کیونکہ کوئی جوان ہو
ہے اور کوئی بوڑھا، کوئی طاقتور ہوتا ہے اور کوئی کمزور، لہذا ہم تم پر قانوناً تو یہ بات
لاگو نہیں کرتے کہ تم ہمیشہ اپنے سے دس گنا قوت کا مقابلہ کروگے لیکن کم از کم دگنی قوت
مقابلہ کرنا تمھارے لئے لازم ہے۔

ہمارے یہ ہر دو اصول اے صحابہ سب سے اول تمھارے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے
ہیں لیکن جو بھی صحابہ کرام کے طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے ثابت قدمی کے ساتھ
دشمن سے مقابلہ کرے گا۔ ہم اس کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھیں گے۔

ان دشمنان صحابہ نے اس کا نظارہ بھی کرلیا ہے کہ میدان قادسیہ میں رستم ایران
ایک لاکھ ساتھیوں کے ساتھ بیس ہزار عربوں سے ٹکرایا لیکن نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ایک
فرد بشر کے علاوہ کوئی زندہ نہ بچا۔ اور غالباً یہی قادسیہ کا غم ہے جو غم حسین کے نام
سے آج تک منایا جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت حسینؓ کی شہادت سرزمین نینوا میں ۲۲ صفر
کو واقع ہوئی تھی اور یہ واقعہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ابن سعد سے نقل کیا ہے
اگر یہ تاریخ تسلیم کرلی جائے تو غم حسین کے نام سے یہ تمام افسانے غلط ثابت ہوتے
ہیں۔ اور یہ تو از روئے تاریخ ثابت ہی ہے کہ سب سے اول بنو بویہ کے زمانہ میں
۳۳۰ھ کے بعد غم حسین اور عید غدیر وغیرہ کی ابتدا ہوئی۔ جو کام تین سو سال بعد ایجاد
کیا گیا اور وہ بھی صرف سنی دشمنی میں، اس لئے اس میں حقیقت کا کیا شائبہ ہو سکتا ہے؟

شیعہ فرقہ کے نزدیک ان کے خود کے علاوہ کوئی اور مؤمن نہیں۔ جبکہ قرآن نے
تمام صحابہ کو مؤمن مانا ہے۔ اور اگر یہ لوگ مؤمن نہیں تو ہمارے مصنوعی بھائی بھی مؤمن
نہیں۔ صحابہ کرام کے ایمان میں تو اس لئے شک نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن نے ان کے
مؤمن ہونے کا دعویٰ کیا اور ان کے ذریعہ اپنے وعدے پورے کئے۔ یہ دوسری بات
ہے کہ سبائی خود کو مؤمن قرار دینے کے لئے قرآن کو محرف اور صحابہ کو منافق تسلیم
کریں جیسا کہ وہ آج تک اپنی کتابوں میں کرتے آئے ہیں۔ اگرچہ ان کا زبانی اقرار

یہ ہوتا ہے کہ ہمارا خدا ایک، ہمارا رسول ایک، ہمارا قرآن ایک۔ حالانکہ ان کے یہ تینوں دعوے بطور تقیہ ہوتے ہیں۔ ان کا قرآن پر کتنا ایمان ہے اس پر میں ایک کتاب[له] تحریر کر چکا ہوں۔ اُسی پر آپ اور امور کو قیاس کر لیجیے۔

اللہ اور صحابہ کا آپؐ کے لئے کافی ہونا

ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۧ (الانفال ۶۲–۶۴)

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالےٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اور اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے اِن میں باہم اتفاق پیدا کر دیا۔ بیشک وہ زبردست ہیں تدبیر والے ہیں اے نبیؐ آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔ (۸ : ۶۲–۶۴)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام کی امداد کو بطور احسان پیش کیا۔ پھر قبائل عرب اور اوس و خزرج کی صدیوں پرانی جنگیں ختم کر کے انھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھی ایک اللہ کا کرم تھا کہ یہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔

ان امور کی وضاحت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا کہ اگر یہ کفار عہد شکنی کریں تو تمھیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کی مدد کے لئے

[له] کیا ہمارا قرآن ایک ہے

اللہ اور یہ مؤمن جان نثار صحابہ کافی ہیں۔ یہ قابل اعتماد جماعت ہے جس میں خلوص اور اتباع ہی اتباع ہے۔ جس کو ایسا وفادار گروہ مل جائے اسے کسی کی کیا پرواہ۔

اللہ کی مدد تو ظاہری اسباب کی محتاج نہیں ہوتی۔ ظاہر میں تو دیگر انسانوں کی امداد کی حاجت ہوتی ہے۔ اے نبی ہم نے تمھیں صحابہ کی صورت میں یہ مدد مہیا کر دی ہے اور دنیاوی اسباب کے طور پر تمھارے لئے اللہ کی مدد کافی ہے۔

اس آیت میں سب سے اہم امر یہ ہے کہ صحابہ کی مدد کا اللہ تعالےٰ نے اپنی مدد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ کی مدد شک وشبہ سے بالا تر ہے۔ اسی طرح آپ کیلئے ان صحابۂ کرام کی مدد بھی شک وشبہ سے بالا تر ہے۔ اور جس طرح ان صحابہ کا تعاون شک وشبہ سے بالا تر ہے اسی طرح یہ امر بھی مشکوک نہیں ہو سکتا کہ یہ صحابۂ کرام آپ کے متبع ہیں اور جس طرح اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ آپ کے متبع ہیں۔ اسی طرح اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب صحابہ صاحب ایمان ہیں۔ اب جو شخص ان امور میں سے کسی امر میں شک وشبہ میں مبتلا ہوتا ہے تو دراصل اس کے خود کے مومن ہونے میں شک ہے۔ لہذا ان دشمنانِ صحابہ کو پہلے اپنے ایمان کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔

صحابہ کی جان فروشی کی مثال

بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ میرے چچا انسؓ بن النضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ یہ بات ان پر بہت شاق گذری اور کہنے لگے یہ پہلا غزوہ تھا جس میں غیر حاضر رہا۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے مجھے کسی غزوہ میں شریک ہونے کا موقعہ دیا تو اللہ بھی دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میرے چچا کو اس امر کا بھی خوف ہوا کہ نہ معلوم زبان سے کیا کچھ نکل گیا۔ اگلے سال (۳ھ) میں جب جنگ احد پیش آئی تو راہ میں سعدؓ بن مالک (یعنی سعدؓ بن ابی وقاص) ان سے ملے اور کہنے لگے اے ابو عمرو کہاں چلے۔ انھوں نے جواب دیا مجھے احد کی طرف سے جنگ کی خوشبو آرہی ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ انس بن النضر شہید ہونے تک جنگ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ان کی لاش لائی گئی تو ان کے جسم پر اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ جن میں سے کچھ تلوار کے کچھ نیزے کے اور کچھ تیروں کے تھے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں میری پھوپی رُبیع بنت النضر کا بیان ہے کہ میں اپنے بھائی کو صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچان سکی۔ اور یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب ۲۳)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کرچکے ہیں اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔ (۳۳ : ۲۳)

ترمذی نے حضرت عائشہ رضی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ان حضرات میں طلحہؓ بن عبید اللہ بھی شریک ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہؓ کے لئے جنت واجب ہو چکی۔

یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اور ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ صحابہ نے ایک اعرابی کو اس پر راضی کیا کہ وہ حضورؐ سے یہ سوال کرے کہ وہ شخص کون ہے جس نے اپنی آرزو پوری کرلی۔ اس اعرابی نے آپؐ سے سوال کیا۔ آپ نے اس کی جانب سے رُخ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ آپ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے پھر رُخ پھیر لیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے حضورؐ کے سامنے آیا اور میں سبز کپڑے پہنے تھا۔ جب حضورؐ نے مجھے دیکھا تو لوگوں سے سوال کیا وہ شخص کہاں ہے جس نے فلاں سوال کیا تھا۔ اس اعرابی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جس نے اپنی آرزو جلد پوری کرلی یہ وہ شخص ہے اور آپ نے طلحہ بن عبید اللہ کی جانب اشارہ فرمایا۔ ترمذی کا بیان ہے کہ

یہ حدیث حسن غریب ہے۔ یونس بن بکیر کے علاوہ اسے کوئی روایت نہیں کرتا۔

بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے لوٹے تو آپ کا گذر مصعبؓ بن عمیر پر ہوا۔ وہ راہ میں مقتول پڑے تھے۔ آپ نے ان کی لاش پر توقف فرمایا۔ اوران کے لئے دعا کی پھر مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی اوراس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے گواہ ہوں گے۔ الحدیث۔

بنیان مرصوص:

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ (الصف ۴)

اللہ تعالےٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔ (۶۱ : ۴)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام کی شان بیان کی ہے کہ جب یہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیدل دستے سوار دستوں سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ سوار دستے یہ صورت اختیار کر ہی نہیں سکتے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ عام طور پر صحابہ کرام پیدل ہوتے تھے اس لئے ان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہو۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلم فوج سوار دستوں پر مشتمل ہوتی تو ممکن تھا کہ ان کی بھی توصیف بیان کی جاتی لیکن حضورؐ کے دور میں عام طور پر پیدل دستے رہے اس لئے ان کا وصف بیان کیا گیا۔ اگر فوج سوار دستوں پر

مشتمل ہوتی تو ممکن تھا کہ ان کا بھی کوئی وصف بیان کیا جاتا۔

صحابہ کو جنگوں میں اللہ کی مدد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۚ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرًا ۚ (الاحزاب ۲۵-۲۷)

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے۔ اور جن اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۳۳ : ۲۵-۲۷)

مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ اس آیت اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ سے مراد ابوسفیان اور عیینۃ بن بدر ہیں کہ ابوسفیان تہامہ کی جانب لوٹ گیا اور عیینۃ نجد واپس چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان مؤمنین صحابہ کی جانب سے قتال کے لئے کافی ہے۔ بایں طور کہ کفار پر سخت آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے کہ جنہیں تم دیکھ نہ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ سب کفار

لوٹ گئے اور بنی قریظہ بھی اپنی پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ اس طرح بنی قریظہ پر رعب چھا گیا۔ اور جن اہلِ کتاب نے اپنے قلعوں سے نکل کر مظاہرہ کیا اور مختلف لشکروں کی اعانت کی یعنی "بنو قریظہ" و "خیبر" کی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ تم ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور ایک جماعت کو گرفتار کر رہے تھے۔ یعنی مردوں کو قتل کر رہے تھے اور عورتوں کو قید کر رہے تھے۔ اور پھر بطور ورثہ ان کی زمین، ان کے شہر اور ان کے اموال تمھیں عطا کئے بلکہ تمھیں وہ سرزمین بھی عطا کی جہاں تک تمھارے ابھی قدم نہیں پہنچے۔

یزید بن رومان، مقاتل اور ابن زید کی رائے ہے کہ ان الفاظ سے مراد جنگِ حنین ہے۔ ابھی جنگ حنین نہ ہوئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اس کا وعدہ فرمایا۔

قتادہ کا بیان ہے کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔

حسن بصری کی رائے ہے کہ اس سے فارس و روم مراد ہے

عکرمہ کی رائے ہے کہ اس سے وہ تمام سرزمین مراد ہے جو قیامت تک مسلموں کے زیرِ نگیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے یعنی یہ مختلف قلعے اور شہر مسلمانوں کو عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الروم ۴۷)

اور اہلِ ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ (۳۰ : ۴۷)

مفسر نحاس، ثعلبی اور زمخشری نے ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلم اپنے دوسرے مسلم بھائی کی عزت و آبرو کو بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ قیامت کے روز اس سے نارِ جہنم کو دور رکھے

(قرطبی ص۱۲۵ جلد ۶)

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے کہ صحابۂ کرام کی مدد کرے۔ کیونکہ اس زمانے میں تمام روئے زمین پر مومن یہی لوگ تھے اور جو مومن تھے

وہ کافر تھے یہاں لفظ مومن کافر کے مقابلہ پر آیا ہے۔ اسی لئے قرآن جب مومنین کا ذکر کرتا ہے اس سے مراد وہ حضرات ہوتے ہیں جو اس آیت کے نزول سے قبل ایمان لا چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ (الاحزاب ۹)

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی کہ تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔ (۳۳: ۹)

یہ غزوہ خندق کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ کونسے سنہ میں واقع ہوا۔ محمد بن اسحاق کی رائے ہے کہ یہ غزوہ شوال ۵ھ میں واقع ہوا۔

ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں واقع ہوا۔ نیز امام مالک یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ اور بنو قریظہ سے جنگ ایک ہی واقع ہوئیں وہ ۴ھ ہجری تھا ...... ابن وہب نے امام مالک سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے قتال کا حکم دیا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ۔ (الاحزاب ۱۰)

جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ (۳۳: ۱۰)

امام مالک کا قول ہے کہ یہ روزِ خندق ہے۔ ایک جانب سے قریش آئے۔ ایک جانب سے یہود اور ایک جانب سے اہلِ نجد آئے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ بلندی کی جانب سے بنو قریظہ آئے اور نشیب کی جانب سے قریش اور غطفان آئے۔

اس جنگ کا سبب یہ بنا کہ یہود کی ایک جماعت جن میں کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق۔ سلام بن ابی الحقیق۔ سلام بن مشکم اور حی بن اخطب جو قبیلہ بنی نضیر سے تھے اور بنو وائل سے ہوذۃ بن قیس اور ابو عمار جو سب یہود تھے انھوں نے مختلف لشکروں کو جنگ پر اکسایا اور انھیں جمع کیا۔ اس کی صورت یوں بنی کہ بنو نضیر اور بنو وائل کی دو ٹولیاں مکہ پہنچیں اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کی دعوت دی اور انھیں اس بات کا بھی یقین دلایا کہ ہماری یعنی یہود کی نصرت و اعانت بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ نتیجتاً اہل مکہ نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔

پھر یہود کے مذکورہ افراد بنو غطفان کے پاس گئے اور ان کو بھی دعوت دی، انھوں نے بھی ان کی دعوت کو قبول کیا۔ اس طرح قریش مقابلہ کے لئے نکلے ان کی قیادت ابو سفیان بن حرب کے ہاتھ میں تھی۔ قبیلہ غطفان بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کا قائد عیینۃ بن حصین بن حذیفۃ بن الفزاری تھا جو بنو فزارہ کا امیر تھا۔ اور بنو مرہ کا قائد حارث بن عوف المری تھا اور بنو اشجع کا امیر مسعر بن مخیلہ تھا۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے خروج کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ تو سلمانؓ فارسی نے آپ کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا جس پر سب صحابہ راضی ہو گئے۔

یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں سلمانؓ شریک ہوئے اور اس وقت وہ آزاد ہو گئے تھے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ فارس میں اگر کوئی ہمارا محاصرہ کرتا تو ہم خندق کھودتے تو تمام مسلمانوں نے کوشش کر کے خندق کھودی۔

نسائی نے حضرت بریدہؓ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو ہماری راہ میں ایک بڑا پتھر آ گیا جس پر کدالیں کام نہ کرتی

تھیں۔ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنی چادر اتار دی اور کدال اپنے ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو پتھر کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے شام کی چابیاں مل گئیں۔ اللہ کی قسم میں اپنے اس مقام سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے دوسری کدال ماری اور بسم اللہ کہا جس سے تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے فارس کی چابیاں دی گئیں۔ میں یہاں سے مدائن کے سپید محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کہکر تیسری ضرب لگائی جس سے پتھر ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی چابیاں دی گئیں اور میں صنعاء کا دروازہ دیکھ رہا ہوں۔ قرطبی کا بیان ہے کہ اس حدیث کو ابو محمد عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے سے فارغ ہو گئے، تو قریش دس ہزار کا لشکر لے کر آئے جن کے ساتھ بنو کنانہ اور اہل تہامہ تھے۔ قبیلہ غطفان آیا جن کے ساتھ اہل نجد تھے جو احد کی ایک جانب اترے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمان احد پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے۔ اور لشکر کو ترتیب دیا۔ اس طرح کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان خندق حائل رہی۔ مدینہ پر بقول ابن شہاب عمرؓو بن ام مکتوم کو عامل بنا دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۲۲)

اور جب ایمان داروں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے خبر دی تھی اور اللہ اور رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اور ترقی ہو گئی۔ (۳۳ : ۲۲)

ان مومنین صحابہ نے جب مختلف اطراف سے لشکر امنڈتے ہوئے دیکھے تب یہ کہا کہ یہ تو وہ امور ہیں جن کا ہم سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ فرمایا ہے۔ گویا ان کے ایمان اور اسلام میں اور اضافہ ہوا۔ حالانکہ اسی جنگ میں صحابہ کی تعداد چودہ۱۴۰۰ سو تھی۔

جبکہ کفار کا لشکر بیس ہزار تھا۔ اور صحابہ خندق میں محصور تھے۔ لیکن ان کے ایمان میں اسی محاصرہ سے مزید اضافہ ہوا۔

غزوہ خندق کے وقت اللہ تعالےٰ ان حضرات صحابہ کے ایمان کی شہادت دے رہا ہے۔ گویا یہ حضرات غزوہ خندق تک تو پکّے مؤمن تھے مگر شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سب منافق تھے۔ تو ان کا دعویٰ اس واقعہ سے باطل ہو گیا۔ اور جس دلیل سے ان حضرات کا مؤمن ہونا ثابت ہو گا اسی دلیل سے حضرت علیؓ کا مؤمن ہونا ثابت ہو گا۔ اور اگر یہ مہاجرین عیاذاً باللہ منافق تھے تو اسی دلیل سے حضرت علی کا منافق ہونا ثابت ہو گا۔ اسی لئے شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ قرآن جھوٹا ہے اور ہمارا سچا قرآن امام غائب لے کر روپوش ہو گئے ہیں۔ اب قیامت کے قریب ان کی تلاش کیجئے۔ قیامت تک سب مسلمان بلا قرآن رہیں گے۔ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ جناب مہدی آنے کے بعد ہمیں قرآن دیکھنے دیں گے اور پھر ہمیں فیصلہ کا اختیار بھی دیں گے۔ فیا للعجب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ (الفتح ۲۰ - ۲۲)

اللہ تعالےٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ لوگے سو سردست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تاکہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی اور اللہ تعالےٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔ (۴۸: ۲۰-۲۲)

اے صحابہ اللہ نے تم سے بہت سی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے جو تم حاصل کرکے رہو گے اور یہ نعمت (یعنی فتح خیبر) بہت جلدی تمھارے لئے تیار کردی ہے اور دیگر لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لئے ہیں (مثلاً کفار مکہ) اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی کے طور پر کیا ہے اور بہت سی دیگر اقوام ہیں (مثلاً فارس و روم) جن پر تم ابھی قدرت نہیں رکھتے لیکن اللہ نے ان کا بھی احاطہ کرلیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اگر تم سے کافر قتال کریں تو وہ یقیناً پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر یہ اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائیں گے۔ ان آیات کریمہ میں ان جنگوں کی بشارت دی گئی ہے جو حضورؐ کے بعد پیش آنے والی تھیں۔ مثلاً جنگ روم اور جنگ ایران وغیرہ تو اے صحابہ تم ابھی ان پر قدرت نہیں رکھتے۔ لیکن اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے کہ ان دونوں اقوام کو تباہ کرکے رہے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ دیگر اقوام بھی اے صحابہ تم سے مقابلہ کریں گی تو یہ اقوام بھی پشت پھیر کر بھاگیں گی۔ اور انھیں کوئی ولی اور مددگار نہ ملے گا۔

کافروں پر صحابہ کا رُعب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ
الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ
فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ؁ (الحشر ۲)

تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی اپنے گھروں سے باہر نکلیں گے اور انھوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے

بھی اجاڑ رہے تھے۔ اے دانشمندو (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو۔ (۵۹: ۲)

قبیلہ ابو نضیر جو حضرت ہارون کی نسل سے تھا مدینہ آکر مقیم ہو گیا تھا۔ جب ملک شام میں ان پر پہلی بار تباہی آئی تو یہ مدینہ آکر آباد ہو گئے۔ مدینہ میں قبیلہ بنو نضیر یہ تصور کرتا تھا کہ انھیں ان کی آبادیوں سے کوئی نہیں نکال سکتا کیونکہ ان کے پاس بے شمار سامانِ حرب ہے اور بہترین قلعے ہیں۔ لیکن اللہ کا عذاب ان پر اس طرح آیا کہ ان کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

محمدؓ بن سلمہ۔ ابو نائلہؓ۔ سلکانؓ بن سلامۃ بن وقش۔ عبادؓ بن بشر بن وقش حارثؓ بن عبس بن معاذ اور ابو عبیدہؓ بن جراح بنو نضیر کے سردار کعب بن الاشرف کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ سیرت میں مشہور ہے۔

یہ لوگ ایک تو اپنے گھروں کو خود برباد کر رہے تھے تاکہ قلعہ کی فصیل کو مضبوط کیا جاسکے اور قلعے سے باہر جو مکانات رہ گئے تھے انھیں مؤمنین برباد کر رہے تھے اس طرح ان پر اللہ کا دوہرا عذاب نازل ہو رہا تھا۔

حضورؐ جب مدینہ تشریف لائے تو ان سے حضورؐ کا یہ معاہدہ ہوا کہ نہ حضورؐ ان پر حملہ آور ہوں گے اور نہ حضورؐ کے مقابلہ میں دشمنوں کی کوئی معاونت کریں گے۔ گویا کہ ان سب معاملات سے علیحدہ رہیں گے۔ جب بدر میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی حاصل ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی توراۃ میں تعریف کی گئی ہے لیکن جب مسلمان احد میں شکست کھا گئے تو ان سب نے عہد توڑ دیا اور سرکشی اختیار کی۔

کعب بن الاشرف چالیس اشخاص کا دستہ لے کر مکہ گیا اور کعبہ کے قریب بیٹھ کر قریش سے حلف وفاداری اٹھایا۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو اس کعب بن الاشرف کے قتل کا حکم دیا۔ انھوں نے دھوکہ سے کعب کو قتل کر دیا۔ پھر صبح کو مسلم دستوں میں مل گئے اور صحابہؓ کو رائے دی کہ تم مدینہ چھوڑ دو تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں موت اس سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اس طرح باہم ایک دوسرے کو جنگ کے لئے آمادہ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دس دن کی مہلت دی کہ اس علاقہ سے نکلنے کی تیاری کرلیں۔ انھیں عبداللہ بن ابی منافق اور ان کے ساتھیوں نے کہلا کر بھیجا کہ تم قلعہ نہ چھوڑنا اگر یہ صحابہ تم سے قتال کریں گے تو ہم تمھارے ساتھ ہیں اور اگر تمھیں قلعہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے۔ مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ اکیس۲۱ دن تک رہا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور یہ منافقین کی مدد سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے مسلمانوں کے سامنے صلح پیش کی۔ انھوں نے اس سے انکار کردیا اس پر انھیں قلعے چھوڑ کر شہر بدر ہونے کا حکم ملا۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے مکانات برباد کرنے شروع کردئے تاکہ وہ مسلمانوں کے کام نہ آسکیں۔ اور یہ ٹوٹے ہوئے مکانات ان کو مورچوں کا کام دے سکیں۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ مکانات انھوں نے اس لئے گرائے تھے تاکہ محاذ دور تک پھیل جائے۔ ان مکانات کے پیچھے وہ نقب لگا کر بیٹھ گئے اور وہاں سے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کردی۔ تو اے عقل والو ان باتوں سے عبرت حاصل کرو۔

اس میں لفظ مؤمنین خود اس امر کی وضاحت کررہا ہے کہ یہ کام اللہ تعالےٰ نے مؤمنین صحابہ کے ذریعہ انجام دیا۔ ان مؤمنین میں وہ تمام صحابہ داخل ہیں جو جنگ بنی نضیر کے وقت یعنی ۴ھ تک ایمان سے مشرف ہو چکے تھے۔ اور جنھوں نے اس جہاد میں حصہ لیا۔

بیعت رضوان، صلح حدیبیہ اور سکینت

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الفتح ۱۰)

جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ (واقعہ میں) اللہ تعالےٰ سے بیعت کررہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا

تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑیگا اور جو شخص اس بات کو پورا کریگا جس پر (بیعت میں) اللہ سے عہد کیا ہے تو عنقریب اللہ اسی کو بڑا اجر دے گا۔ (۴۸ : ۱۰)

اے صحابہ یہ بیعتِ رضوان جو تم نے کی ہے دراصل یہ اللہ سے بیعت ہے اور وہ صحابہ جو اس بیعت میں شریک تھے ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ پس جو شخص بھی اس عہد کو توڑے گا تو وہ اس کا بوجھ اپنے اوپر اٹھائے گا اور جو اللہ سے کیا ہوا یہ وعدہ پورا کریگا اللہ اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنا قاصد بنا کر مکہ بھیجا جہاں انھیں اہلِ مکہ نے قید کر لیا۔ اور صحابہ میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی اور بیعت اس پر تھی کہ یا تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے اور چونکہ عثمانؓ اس وقت شہید نہیں ہوئے بلکہ یہ صرف ایک افواہ تھی۔ لہذا جب عثمانؓ شہید کیے گئے تو ان تمام صحابہ پر جو اس وقت حیات تھے قتل عثمانؓ کا قصاص لینا واجب ہوا۔ اور اس سے گریز کرنا اللہ تعالیٰ کی بیعت توڑنے کے مترادف ہوا۔ اسی لئے تمام صحابہ نے مجموعی طور پر حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ لیکن جب امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے اور چونکہ وہ قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے تو ان سب نے امیر معاویہ کی بیعت کر لی۔ گویا یہ بیعت قصاص عثمانؓ پر ہوئی۔ اب جو شخص بھی اس بیعت کو توڑیگا وہ اس توڑنے کا خود ذمہ دار ہو گا۔ اور جو اس بیعت کو پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بڑا اجر عنایت فرمائیں گے۔ گویا امیر معاویہؓ کی بیعت از روئے قرآن لازمی ہوئی اور صحابہؓ کرام نے بھی یہی تصور کیا۔ لہذا وہ تمام صحابہ جو حیات تھے ان سب نے امیر معاویہ کی بیعت کی اور اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا یعنی جماعت صحابہ کے متفق ہونے کا سال۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا

اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِہِمْ۔ (الفتح ۴)

وہ اللہ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو۔ (۴۸ : ۴)

مؤمنین کے قلوب پر اس نے سکون واطمینان نازل کیا تاکہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہوتا رہے۔ خواہ ایمان کے احکام میں اضافہ کے ذریعے ہو یا ان کے قلوب میں ایمان کی پختگی کے ذریعے۔

یہ سورۃ فتح کی ایک آیت ہے جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نازل ہوئی اور اس آیت کے تحت تمام مہاجرین اور انصار داخل ہیں جو صلح حدیبیہ یعنی بیعت رضوان سے قبل ایمان لا چکے تھے۔ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔

مہاجرین مکہ تو ہر اس آیت کے تحت داخل ہیں جو مؤمنین کی شان میں نازل ہوئیں لیکن اگر وہ آیت مدنی ہے تو اس میں اہلِ مدینہ یعنی انصار بھی اس کے تحت داخل ہوتے ہیں اور یہاں وہ تمام مہاجرین اور انصار مراد ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھے جن کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی اور ان میں ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے یزید کی بیعت کی اور حسینؓ کے اقدام کو جائز تصور نہیں کیا مثلاً جابرؓ بن عبداللہ عبداللہ بن فضل۔ عبداللہؓ بن عمرؓ وغیرہم ان سب حضرات کے دلوں پر اللہ نے سکون نازل کیا۔ اور ان کے ایمان میں مزید اضافہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ○ (الفتح ۱۸ - ۱۹)

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا

اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا
اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دیدی اور (اس فتح میں) بہت سی غنیمتیں بھی (دیں)
جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔ (۴۸: ۱۸-۱۹)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان تمام مؤمنین سے رضامندی کا اظہار کیا ہے جنھوں نے درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ان صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ یہ حضرات شرکائے بیعت رضوان اور اصحاب شجرہ سے موسوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ان حضرات پر اپنا سکون نازل فرمایا۔ وہاں ان حضرات سے فوری طور پر ایک فتح اور بہت سامال غنیمت دینے کا وعدہ فرمایا صلح حدیبیہ کے بعد یہ جنگ جنگ خیبر ہے جس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔

ان آیات کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ جس کے باعث یہ حضرات رضی اللہ عنہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اور چونکہ ان حضرات نے ایک درخت کے نیچے حضورؐ کی بیعت کی تھی اس لئے اس بیعت کو بیعت الشجرہ اور بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ بیعت حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر مشہور ہونے پر واقع ہوئی۔ لہذا تمام امت پر یہ لازم قرار پایا کہ جب بھی عثمانؓ پر کوئی مصیبت آئے یا ان کا قتل واقع ہو تو اس کا قصاص پوری امت پر لینا ضروری ہے لہذا تمام قاتلین عثمانؓ سے قتال واجب ہوا۔ اور صحابہ کرام پر اس عہد کا پورا کرنا لازم ہوا اس لئے صحابہ کرام نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور اسی باعث حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مدمقابل ہوئے اور ان کے بعد امیر معاویہؓ مدمقابل ہوئے۔ یہ سب حضرات قصاص عثمانؓ کے طلب گار تھے اور حضرت عائشہؓ تو اس امر کی حامی تھیں کہ ہر وہ شخص جس نے قتل عثمانؓ میں کسی قسم کا حصہ لیا ہے ان سب کا قتل واجب ہے۔ اس طرح حضرت علیؓ کا ساتھ دینے والا گروہ (سبائی) واجب القتل تھا اور اسی وجہ سے صحابہ نے ان کی بیعت نہیں کی اور خلافت راشدہ عثمانؓ پر ختم ہو گئی۔ لیکن جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی تو ان تمام صحابہ نے جو حیات تھے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اسی وجہ سے اس سال کو عام الجماعت کہا جاتا ہے یعنی تمام صحابہ امیر معاویہؓ

متفق ہوئے۔

شرکائے بیعت رضوان میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص، جابرؓ بن عبد اللہ، انسؓ بن مالک، سلمۃ بن الاکوعؓ اور براء بن عاذب شریک تھے۔ اور یہ سب وہ حضرات ہیں جنھوں نے یزید کی بیعت کی اور یزید کے خلاف خروج کو بغاوت قرار دیا۔

بدری صحابہ کی غیر موجودگی میں ان صحابہ کی اتباع تمام امت پر لازم ہے اور چونکہ انھوں نے حضرت علیؓ کے نام سے قاتلین عثمانؓ کی بیعت نہیں کی لہذا خلافت راشدہ حضرت عثمانؓ پر ختم ہوگئی اور پھر حضرت معاویہؓ سے شروع ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان حضرات صحابہ کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ○ (الفتح ۲۴)

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمھارے قتل سے) اور تمھارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قرب) میں روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (۴۸: ۲۴)

عبد الرحمٰن بن ابزیٰ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہاتھ مسلمانوں سے اس وقت تک روکے رکھے جب تک صلح واقع نہ ہوگئی حالانکہ وہ اپنی پوری جمعیت کے ساتھ نکلے تھے اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے ہاتھ بھی ان سے روکے رکھے حتیٰ کہ باہم صلح ہوگئی۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے شرکاء کو مخاطب کیا ہے کہ تم پر یہ ایک اللہ کا احسان تھا کہ کفار نے تم سے اپنے ہاتھ روک لئے اور تم نے ان سے اپنے

ہاتھ روک لئے حالانکہ وہ تمھیں اہلِ مکہ پر کامیاب کر چکا تھا۔

یعنی اے شرکائے بیعت رضوان یہ بھی اللہ کا تم پر کرم تھا کہ کفار کے ہاتھ تم سے روک لئے۔ گویا اس وقت جنگ کا پیش نہ آنا تم پر اللہ کا ایک کرم تھا جو اس نے تم پر کیا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (الفتح ۲۵)

اور اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہونچتا تو سب قصہ طے کر لیا جاتا لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالےٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اگر یہ مل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔ (۴۸ : ۲۵)

یعنی اگر مکہ میں مؤمن مرد مثلاً سلمہؓ بن ہشام، ولیدؓ بن عبدالولید، عیاشؓ بن ابی ربیعہ، ابوجندلؓ بن سہیل اور ام الفضلؓ جیسے بے بس و مجبور لوگ نہ ہوتے جن کے ایمان کا تمھیں علم بھی نہیں تھا اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انھیں بھی قتل کر ڈالو گے۔ اور پھر اہلِ مکہ تمھیں طعنے دیتے کہ یہ تو اپنے اہلِ دین کو بھی قتل کرتے ہیں اور چونکہ اللہ تمھیں اپنی رحمت میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اللہ نے یہ جنگ نہ ہونے دی۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (الفتح ۲۶)

جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالےٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (۴۸ : ۲۶)

یہ آیت صلح حدیبیہ کے عہدنامہ کی عبارت کی تحریر سے متعلق ہے۔

کفار مکہ کی حمیت جاہلانہ یہ تھی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کیا تھا۔ اور آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے بدلے اپنے رسولؐ اور مؤمنین پر سکون (یعنی صبر اور وقار) نازل کیا اور ان مؤمنین پر کلمۂ تقویٰ لازم کردیا جس کے وہ حق دار بھی تھے اور اہل بھی تھے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر شئے کو خوب جانتا ہے۔

صحابہ میں سے حضرت علیؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن عبّاس۔ ابی بن کعبؓ اور بعد کے حضرات میں سے عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمۃ بن سہیل، عبید بن عمیر، طلحۃ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کی رائے ہے کہ کلمۃ التقویٰ سے مراد لاالٰہ الا اللہ ہے۔

اور صحابۂ کرام اس بات کے زیادہ حق دار تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں اپنے دین اور اپنے نبیؐ کی صحبت کے لئے اختیار کیا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۗ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ (الفتح ۲۷)

بے شک اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقعہ کے ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں انشاءاللہ ضرور جاؤ گے امن وامان کے ساتھ

کہ تم میں کوئی سر منڈھاتا ہوگا اور کوئی بال کتروتا ہوگا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا سو اللہ تعالےٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگے ہاتھ ایک فتح دیدی۔ (۴۸ : ۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اس صفت کے ساتھ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے مکہ میں داخل ہوں گے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کرلی تو منافقین برانگیختہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ وہ یہ کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ میں داخل ہورہے تھے اور اب بغیر داخل ہوئے یہ صلح کرلی اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ گویا اللہ تعالےٰ نے یہ تعلیم دی کہ آپ کا خواب سچا ہے اور آپ آئندہ سال مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔

اور اے نبی کوئی آپ تنہا مکہ میں داخل نہ ہوں گے۔ بلکہ ان شاء اللہ یہ تمام مؤمنین بحالتِ امن مکہ میں داخل ہوں گے جن میں سے کچھ کے سر منڈھے ہوں گے اور کچھ کے بال کٹے ہوں گے۔ اور انھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ پس اے نبی تم اس بات کو جان لوگے جسے اے صحابہ تم نہ جانتے تھے۔ اسی لئے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اللہ تعالےٰ نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرمادی۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس سے فتح خیبر مراد ہے۔ زہری کی رائے ہے کہ اس فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ کیونکہ اس سے قبل باہم قتل و قتال تھا۔ لیکن اس صلح کے باعث لوگوں نے ہاتھ سے ہتھیار رکھ دیئے اور لوگ امن میں ہوئے اور ایک دوسرے سے ملے اور باہم گفت و شنید ہوئی جس کے نتیجہ میں جس کے پاس کچھ عقل تھی اس نے اسلام قبول کیا اور ان دو سال میں اتنے افراد ایمان لائے جتنے اس سے پہلے کبھی نہیں لائے۔ کیونکہ صلح حدیبیہ میں صرف چودہ سو اشخاص تھے اور ۸ھ میں دس ہزار تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

إِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنہ ۱۰)

اے ایمان والو جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو۔ (۶۰ : ۱۰)

جب اللہ تعالےٰ نے مسلمین کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کے دشمنوں یعنی کفار سے دوستی نہ رکھیں تو سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ عورتیں جو دارالکفر یعنی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے۔

ابو عباسؓ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے سال قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ جو شخص بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا تو اسے واپس بھیجدیا جائے گا۔ لیکن اس معاہدہ سے فراغت کے بعد سبیعہؓ بنت الحارث الاسلمیہ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز حدیبیہ میں مقیم تھے اور ان کے فوراً بعد ان کے خاوند صیفی بن الراہب آئے جو کافر تھے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ایک قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط آئیں۔ ان کے گھر والے ان کا سوال کرنے کے لئے آئے یہ اپنے خاوند عمرو بن العاص سے بھاگ کر آئیں تھیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی عمارہ اور ولید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روک لیا اور ان کے دونوں بھائیوں کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا یہ واپسی کی شرط مردوں کے معاملہ میں تھی عورتوں کے معاملہ میں نہ تھی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آنے والی ام کلثومؓ بنت عقبہ تھیں۔ انہی کے باعث یہ احکامات نازل ہوئے۔

مشرکائے تبوک کی قبولیت توبہ

ارشادِ الٰہی ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ ۔ (التوبہ ۱۱۷)

اللہ تعالٰی نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ (۹ : ۱۱۷)

ساعۃ العسرہ۔ غزوہ تبوک کا دوسرا نام ہے۔ اس غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مہاجرین و انصار شریک ہوئے۔ صرف انصار میں سے تین صحابہ غلطی سے رہ گئے تھے۔ اور مہاجرین میں سے آپؐ صرف حضرت علیؓ کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ کر گئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرات ابوبکرؓ و عثمانؓ، طلحہؓ و زبیرؓ، امیر معاویہؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ وغیرہ تمام حضرات اس مہم میں شریک تھے۔ اور قرآن ان سب حضرات کی فضیلت بیان کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالٰی نے ان تمام مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کی ہے جو غزوہ تبوک میں شریک ہوئے بلکہ جو لوگ عمداً شریک نہ ہوئے تھے انھیں سزا دی گئی کہ پچاس دن تک کوئی شخص بھی ان سے ہم کلام نہیں ہوا۔ ان کی بیویاں اُن سے جُدا کر دی گئیں۔ بعد میں ان کی بھی توبہ قبول ہوئی۔

اس طرح اس غزوہ میں تین انصار اور ایک مہاجر کے علاوہ تمام وہ صحابہ شریک تھے جنھیں سبائی منافق قرار دیتے ہیں۔

اس واقعہ سے ان صحابہ کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے جس میں یہ تمام صحابہ شریک ہوئے۔ اگر یہ منافق تھے تو وہ صحابہ تو ہرگز بھی مؤمن ثابت نہ ہوں گے جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ اگر امیر معاویہؓ مؤمن ثابت نہیں ہوتے تو حضرت علیؓ کیسے مؤمن ثابت ہوں گے۔ وہ تو اس غزوہ میں شریک بھی نہ تھے۔ اگرچہ حضورؐ نے انھیں اپنے کام کے لئے چھوڑا تھا۔

اللہ اہلِ ایمان کا مولا ہے

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ
لَا مَوْلٰى لَهُمْ ؏ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (محمد۔ ۱۱-۱۲)

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ (۴۷: ۱۱-۱۲)

مؤمنین کا مولیٰ تو اللہ ہے لیکن کفار و مشرکین کا کوئی مولیٰ نہیں۔ (خواہ وہ مولیٰ کے نام سے حضرت علیؓ کو پکارتے رہیں یا کسی اور کو) اور اللہ تعالےٰ مؤمنین اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔

قتادہ کا بیان ہے کہ یہ آیت احد کے روز نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھاٹی میں تھے تو مشرکین نے چیخ کر کہا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا انھیں جواب دو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (قرطبی ج ۷ ص ۶۰۵۴)

یعنی اللہ کے علاوہ آپ خواہ کسی کو پکارتے رہیں وہ بے کار ہے۔ اس لئے کہ نہ وہ مردے سن سکتے ہیں اور نہ مدد کر سکتے ہیں۔ لہذا اللہ کے علاوہ کوئی مولیٰ نہیں۔

خلافت ارضی کی پیشین گوئی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور ۵۵)

(اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسے ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کر دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔ (۲۴:۵۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ سے مختلف وعدے کئے ہیں۔

۱۔ انھیں زمین کی خلافت عطا فرمائیگا۔

۲۔ یہ اللہ کا پسندیدہ دین دنیا میں قائم کریں گے۔

۳۔ یہ لوگ خوف کو امن میں تبدیل کریں گے۔

۴۔ یہ صرف میری عبادت کریں گے۔

۵۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جو قرآن نے ان صحابہ کی بیان کی ہیں جنھیں بعد میں خلافت عطا ہوئی اور خاص طور پر وہ حضرات جن کے زمانہ میں امن وامان قائم رہا ہم جب تاریخی اور محدثانہ طور پر ان واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں خلفائے ثلثہ کے بعد یہ خصوصیات امیر معاویہ اور بنو امیہ میں نظر آتی ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے دور میں نہ تو ان پر تمام امت متفق ہوئی اور نہ یہ خصوصیات ان میں نظر آتی ہیں۔

نہ ان کے زمانہ میں امن وامان قائم ہوا۔

اور نہ اللہ کا پسندیدہ دین نافذ کیا گیا۔

کیونکہ حضرت علیؓ ان قاتلین عثمانؓ کے ہاتھوں مجبور محض تھے۔ نہ انھیں اختیار حاصل تھا اور نہ اقتدار۔ وہ کسی سے قصاص لینے پر بھی قدرت نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس خلافت کا اعلان فرمایا تھا اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ

فاروق، حضرت عثمانؓ غنی، امیر معاویہؓ اور ان کے بعد دیگر خلفائے بنی امیہ ہیں۔ اس سے حضرت علیؓ کی خلافت مراد لینا جو صرف کوفہ تک محدود تھی صحیح نہیں ہے اور وہ بھی حضرت علیؓ کے نام سے قاتلین عثمانؓ یعنی سبائیوں کے ہاتھ میں تھی اور یہ گروہ تو صحابہ کی نظروں میں قاتلین عثمانؓ کا تھا اور حضرت علیؓ ان شیاطین کی دلدل میں پھنسے ہوئے مجبور محض تھے۔ ان بیچاروں کا کوئی حکم نہ چلتا تھا۔ حاکم تو یہ قاتلین عثمانؓ تھے نہ کہ حضرت علیؓ۔

کفّار کی مؤمنین کے ہاتھوں ذِلّت

ارشادِ الٰہی ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۝ (التوبہ ۱۴-۱۵)

ان کفار سے قتال کرو اللہ تعالیٰ انھیں تمھارے ہاتھوں سزا دے گا۔ اور ان کو ذلیل وخوار کرے گا۔ اور تم کو اے صحابہ ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مؤمنین کے دلوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کے غیظ وغضب کو دور کریگا (۹:۱۴-۱۵)

یعنی اے صحابہ تم کفار سے قتال کرو۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کفار کو تمھارے ہاتھوں سزا دے اور انھیں ذلیل ورسوا کرے اور مؤمنین کے دلوں کو ٹھنڈا کر دے۔

گویا یہ سارے کام اے صحابۂ کرام تمھارے ہاتھوں انجام پائیں گے۔ اور یہ سب کچھ تمھارے قتل وقتال پر موقوف ہوگا۔ اس سے مؤمنین کا دل بھی ٹھنڈا ہوگا۔ اور کفار کی رسوائی کا سامان بھی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھاری مدد بھی فرمائے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرام کے مختلف فضائل بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالےٰ تمھارے ذریعہ کفار کو سزا دے گا۔ اور انھیں ذلیل ورسوا کرے گا۔

۲۔ صحابہ کے ذریعہ اللہ تعالےٰ مؤمنین کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

۳۔ اللہ صحابہ کو کفار پر غالب کرے گا۔

دنیا کے سامنے یہ حقیقت بھی آگئی کہ جب تک صحابہ کرام حیات رہے مسلمانوں کو ہر محاذ پر کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ اور دشمنان اسلام اور منافقین ذلیل وخوار ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الحشر ۵)

جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں تاکہ اللہ کافروں کو ذلیل کرے۔ (۵۹ : ۵)

جب بنو نضیر نے معاہدہ ختم کیا اور صحابہ کرام کے خلاف قریش کے ساتھ سازشیں کیں تو اے صحابہ تم نے ان کے جتنے درخت کاٹے اور جتنے اپنے حال پر چھوڑے۔ یہ ہر دو کام تم لوگوں نے اللہ کے حکم سے کئے تھے اور اس لئے کئے تھے تاکہ یہ فاسق رسوا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳ھ ربیع الاول میں مدینہ سے نکلے اور بنو نضیر کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور ان کے درخت کاٹے اور انھیں آگ لگانے کا حکم دیا۔ تو اے صحابہ تم نے ان کے ساتھ جو بھی سلوک کیا وہ اللہ کے حکم سے کیا۔

نتیجۃً یہ تمام بنو نضیر جلاوطن کئے گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ شام چلے گئے اور ان کے رؤسا خیبر منتقل ہو گئے۔

منافقین کی منافقت

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرۃ ۹)

چال بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں (یعنی محض چال بازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں) اور واقع میں کسی کے ساتھ

چال بازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (۲ : ۹)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع کے شروع میں تین قسم کے لوگ بیان کئے ہیں ایک مصلحین، دوسرے کفار اور تیسرے منافقین۔ جو زبانی تو ایمان کے دعوے کرتے ہیں لیکن پس پردہ ان مؤمنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو دھوکہ دینے کے لئے فلاں بات کہی تھی اور ہمارا مقصود یہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے دھوکہ اور فریب کا پردہ چاک کیا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے تو مکہ میں صرف دو گروہ تھے۔ ایک مؤمنین کا اور دوسرا کفار کا (یعنی مشرکین مکہ) یہ لوگ جب تک کافر رہے کافر ہی رہے لیکن انھوں نے کبھی تقیہ اختیار نہیں کیا کہ بظاہر ایمان کا دعویٰ ہو اور بباطن کافر ہوں۔ اہلِ مکہ میں کوئی ایسا طبقہ موجود نہ تھا کیونکہ یہ سب بہادر لوگ تھے اور بات کے پیچھے جان دینا جانتے تھے۔ لہٰذا ہجرت تک صرف دو طبقے رہے مسلم اور کافر۔

لیکن ہجرت کے بعد ایک تیسرا طبقہ اہلِ کتاب کا سامنے آیا جن میں سے بیشتر یہود تھے۔ قرآن میں اکثر مقامات پر ان کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے صاحب ایمان شاید دو چار افراد ہوں۔ ورنہ بقیہ کا کردار قرآن نے اس آیت میں پیش کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا مقصود اللہ اور مؤمنین کو دھوکہ دینا تھا۔ ان میں سے کتنے افراد ایمان لائے یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ کتبِ احادیث میں حضرت عبداللہؓ بن سلام کا نام آتا ہے۔ یہ یہودیوں کا طبقہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اپنی ان بدکرداریوں کے باعث حد سے تجاوز کر رہا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے انھیں ملک بدر کر دیا۔ عراق پہنچنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے ہمنوا ایرانیوں کو ساتھ ملا کر خلافت وقت کے خلاف سازباز شروع کر دی جس کے نتیجہ میں آج تشیع ہم پر چھایا ہوا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ

قُلْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۠(الحدید ۱۳)

جس روز یہ منافق مرد و عورت مومنین سے کہیں گے۔ ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں تو انھیں جواب دیا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور کہیں اور تلاش کرو۔ پھر ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا۔ (۵۷ : ۱۳)

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ قیامت کے روز مومن صحابہ کے ہر طرف نور ہی نور ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو منافق ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ان اہل ایمان سے کہیں گے ذرا ٹھہرو ہم بھی تمھارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں۔ تو یہ مومنین جواب دیں گے کہ ہمارے پاس سے چلے جاؤ اور نور کو کہیں اور تلاش کرو یہ جواب ملتے ہی ان مومنین اور منافقین کے مابین ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس کے اندر تو رحمتِ الٰہی ہوگی اور باہر کی جانب اللہ کا عذاب ہوگا۔

موجودہ دور کے منافقین یہ بھی سوچ لیں کہ یہ آیت سورۂ حدید کی آیات میں سے ہے جو ۹ھ کی ابتداء میں نازل ہوئیں یعنی اس وقت تک جو حضرات ایمان سے مشرف ہوچکے تھے ان کو یہ نوید سنائی جارہی ہے۔ جن میں حضرت ابو سفیان اور ان کے صاحبزادے امیر معاویہؓ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اور قرآن نے صرف دو ہی طبقے بیان کئے ہیں۔ مومنین صحابہ اور منافقین یعنی جو حضرات صحابۂ کرام کے دشمن ہیں ان کا شمار منافقین میں تو ہوسکتا ہے۔ لیکن ان صاحب ایمان حضرات میں وہ داخل نہیں ہوسکتے جن کی قرآن یہ شان بیان کررہا ہے۔ اس لئے کہ یہ طبقہ صحابۂ کرام کے اس حلقہ کو کافر کہتا ہے۔ عیاذ باللہ۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ
اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ ۷۹-۸۰)

یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوص) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت (مزدوری کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دے گا اور (مطلق طعن کا بدلہ ملے ہی گا) ان کے لئے (آخرت میں) دردناک سزا ہوگی آپ خواہ ان (منافقین) کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا یہ اسی وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (۹: ۷۹-۸۰)

غزوہ تبوک کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدِ جہاد میں لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے اپنے گھر کا تمام اسباب لاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دیا جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، بعض نے نصف مال لاکر حاضر کیا جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار، سو اونٹ، اسلحہ اور مال و متاع اپنے ذمہ لیا۔ اس طرح جو حضرات مالدار تھے انھوں نے اللہ کی راہ میں زیادہ مال دیا اور جو غریب تھے وہ اپنی حسب استطاعت مال لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ حتیٰ کہ کوئی ایک صحابی ایک صاع جَو لے کر آیا۔

منافقین کا ٹولہ جو اپنے ایمان اور اسلام کے بڑے بڑے دعوے کرتا تھا اس طبقہ نے ان صحابۂ کرام کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ جو زیادہ مال لے کر آئے تو یہ ٹولہ کہتا یہ لوگ ریاکار ہیں دنیا کو دکھانے کے لئے اپنے گھر کو بھی آگ لگا رہے ہیں۔ اور جو تھوڑا تھوڑا مال لیکر آتا تو کہتے یہ بھی کوئی صدقہ ہے اس کی کیا ضرورت ہے۔ لوجی اس مٹھی بھر جو سے سلطنتِ روم کو

شکست دینے جارہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالٰے نے اپنے کلام میں صحابۂ کرام کے ان ہر دو طبقوں کی مدافعت فرمائی۔ کیونکہ غریب لوگ تو صرف اپنی جانیں ہی پیش کر سکتے تھے اور امیر لوگ جان و مال ہر ایک قربان کرتے رہے۔

ان حضرات پر اعتراض کرنا اور ان کا مذاق اڑانا اللہ تعالٰے کو سخت ناگوار گزرا۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے ان صحابہ کا مذاق اڑانے والوں کو جہنم کی سزا سنائی بلکہ اپنے نبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ اگر آپ ان منافقین کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کریں گے تو اللہ تعالٰے ایسے مذاق اڑاتے والوں کو ہرگز معاف نہ فرمائے گا۔

بلکہ اے نبی آئندہ آپ کسی ایسے صحابہ دشمن کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھئے اور نہ ایسے لوگوں کی قبروں پر کھڑے ہوجیئے کیونکہ صحابۂ کرام پر یہ طعن بلا وجہ نہیں ہے۔ بلکہ تنقید صحابہ کے پس پردہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر معترض ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان صحابۂ کرام کو کیسے دوست بنالیا۔

لہٰذا جو شخص ان ہستیوں کا دشمن ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے محبوب تھے تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کا بھی دشمن ہے اور رسول کا بھی دشمن ہے۔

لہٰذا اے رسول آپ ان کے لئے ہرگز بھی دعائے مغفرت نہ کیجئے اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھئے۔ اور اگر آپ نے یہ تصور کرکے کہ یہ دعویدار اسلام ہیں ان کے لئے دعائے مغفرت کی تو ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم اس قسم کے لوگوں کی ہرگز ہرگز مغفرت نہ فرمائیں گے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (التوبہ — ۹۴)

اور آئندہ بھی اللہ تعالٰے اور اس کا رسولؐ تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے

پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ (۹ : ۹۴)

اس آیت میں منافقین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر فی الواقع تم اپنے بہانوں میں سچے ہو تو پھر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آئندہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہارے اعمال کو دیکھیں گے اور صحابۂ کرام بھی دیکھیں گے کہ تم اپنے وعدے کے کس حد تک پابند ہو اور کس قسم کے افعال بجالاتے ہو۔

اس آیت میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کو معیار بنایا گیا ہے اسی طرح صحابۂ کرام کے دیکھنے کو بھی معیار بنایا گیا ہے۔ یعنی اگر صحابہ کی نگاہوں میں بھی تمہارا کوئی فعل غلط ہوگا تو یہ تمہاری منافقت کے لئے کافی ہوگا۔

اس سے یہ امر خود بخود واضح ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کے ایمان کی تصدیق و تکذیب صحابۂ کرام پر موقوف ہے۔ اگر یہ کسی کو مؤمن کہتے یا سمجھتے ہیں تو اس کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر یہ کسی کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں تو اس کے کفر و نفاق میں شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ قیامت کے روز صرف وہ اعمال بتائے جائیں گے جو مرنے والے نے خود انجام دیئے ہیں اور جو افعال اس نے انجام نہیں دیئے اس سے اس کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ وہ اس کے افعال شمار ہونگے۔ مثلاً تیجہ، دسواں، چالیسواں، قرآن خوانیاں اور برسیاں وغیرہ۔ ان سب امور کا مرنے والے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ان امور کا سوال کرنے والوں سے ہوگا کہ تم نے یہ کام کس دلیل سے انجام دیئے تھے۔

صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم

ارشادِ الٰہی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (الآیۃ العمران ۱۵۹)

بعد اس کے اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ (۳ : ۱۵۹)

یہ آیت غزوۂ احد کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو پہاڑ پر مامور فرمایا۔ اور انھیں حکم دیا کہ خواہ کوئی بھی صورت حال ہو وہ اپنے مقام سے نہ ہلیں۔ مگر ان سے غلطی سرزد ہوئی کہ انھوں نے درّہ چھوڑ دیا۔ کفار نے پلٹ کر پہاڑی کی جانب سے حملہ کیا جس سے ستر صحابۂ کرام شہید ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور آپ زخموں سے چور ہو گئے۔ آپ کی پیشانی زخمی ہوئی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا میں نے ان صحابۂ کرام کو معاف کر دیا اور اے نبی آپ بھی اپنے ذمہ ان صحابۂ کرام کے بارے میں چند امور ملحوظ رکھیں۔

۱۔ آپ ان کے ساتھ سخت مزاج نہ بنیں بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیجئے۔

۲۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔

۳۔ ان سے اہم امور میں مشورہ لیتے رہیے۔

اور یہ ممکن نہیں کہ نبی کو یہ حکم دیا جائے اور نبی ان احکام کو چھوڑ دے۔ اس سے یہ امر ثابت ہوا کہ نبیؐ آخر دم تک صحابہ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ ان سے اہم امور میں مشورہ لیتے رہے اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے رہے جس میں تمام

وہ صحابہ داخل ہیں جو جنگِ احد میں شریک تھے۔
ان شرکائے احد میں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہم تمام مہاجرین مکہ شامل تھے۔

اطاعتِ رسولؐ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (النور۔ ۵۱-۵۲)

مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو (کسی مقدمہ میں) اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ رسولؐ ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا اور ایسے لوگ (آخرت میں) فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے۔ (۲۴ : ۵۱-۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مہاجرین و انصار کا حال بیان کیا ہے۔

قرطبی نے اسلم مولیٰ عمرؓ سے بلاسند ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ مسجد میں کھڑے تھے اور روم کا ایک سردار بھی وہاں کھڑا تھا۔ اچانک اس سردار نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ پڑھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا "کیا بات پیش آئی؟" اس نے جواب دیا میں اسلام لے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی خاص وجہ؟

اس نے جواب دیا ہاں میں نے توراۃ، زبور اور انجیل پڑھی ہیں۔ اور پہلے انبیاء کی متعدد کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ پھر میں نے ایک قیدی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے سُنا۔ اس آیت میں وہ سب کچھ تھا جو گذشتہ کتابوں میں پایا جاتا تھا۔ جس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا وہ کونسی آیت ہے۔؟

اس نے جواب دیا۔ ومن یطع اللہ۔ جو شخص فرائض میں اللہ کی اطاعت کرے۔ وَرَسُوْلَہٗ اور سنتوں میں اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ اور اللہ سے گذشتہ اعمال پر خائف رہے اور باقی عمر میں گناہوں سے بچتا رہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ کو فرماتے سُنا تھا مجھے ایسے کلمات عطا کئے گئے ہیں جو بہت سے معانی کو مشتمل ہیں۔ (قرطبی ج ۶ ص ۲۹۶)

یعنی مہاجرین وانصار کی خوبی یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جب بھی دعوت دیتا ہے تو یہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے بات سُن لی اور اطاعت کی۔ اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی ہر بات سنتے اور اطاعت کرتے ہیں۔ گویا کہ کامیابی اس پر موقوف ہے کہ اللہ و رسول کی ہر حکم میں اطاعت کی جائے۔

رسولؐ اللہ کے سامنے پست آواز کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الحجرات ۳)

بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسولؐ اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے۔ ان

لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ (۴۹ : ۳)

یہ سورۂ حجرات کی ایک آیت ہے۔ اور سورۂ حجرات اس وقت نازل ہوئی جب بنو تمیم کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تمام افراد اُجڈ قسم کے لوگ تھے اور مجلسی ادب و آداب سے ناواقف تھے لہٰذا ان کے طریقۂ کار اور صحابہ کے طریقۂ کار میں بین فرق تھا اسی لئے ابتدائی صورت میں انھیں چند امور کی تعلیم دی گئی اب سابقہ مؤمنین یعنی مہاجرین و انصار کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ یہ حضرات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی عزت و تکریم میں اپنی آواز پست رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں کبھی آواز بلند نہ کروں گا اور اسی طرح سے بات کروں گا جیسے کسی رازدار سے بات کی جاتی ہے۔

ابو سلمہ کا بیان ہے کہ جب آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے میں آپ سے اسی طرح گفتگو کروں گا جیسے کوئی شخص کسی رازدار سے گفتگو کرتا ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن الزبیر کا بیان ہے کہ جب یہ آیت لَا تَقُوْلُوْا اَصْوَاتَكُمْ (اپنی آواز بلند نہ کرو) نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ جب بھی حضورؐ سے بات کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات سمجھنے کے لئے دوبارہ اس کا اعادہ کرانا پڑتا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

رسول اللہ کے فیصلے کے بعد مؤمنین کو کوئی اختیار نہیں رہتا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ

ے اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے مت بڑھو۔

وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿الاحزاب ۳۶﴾

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جب کہ اللہ
اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیدیں کہ (پھر) ان کو ان (مومنین) کے
کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا
کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔ (۳۳ : ۳۶)

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت میں کفو کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ زینب حضورؐ کی پھوپی زاد بہن ہیں جن کا نکاح زیدؓ بن حارثہ سے ہوا جو پہلے غلام تھے اور بعد میں آزاد کئے گئے۔ اس واقعہ کو دلیل بنا کر متعدد صحابہ اور صحابیاتؓ نے غلاموں سے رشتہ داریاں قائم کیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن عوف الزہری نے اپنی بہن کا نکاح بلالؓ سے کیا۔ ابو حذیفہ سالمؓ نے جو ایک غلام تھے فاطمہؓ بنت الولید بن عتبہ سے نکاح کیا جو اموی خاندان کی ایک معروف ہستی تھی۔ اسی طرح خاندان بنی ہاشم میں زین العابدین اور باقر وغیرہ سب باندیوں کی اولاد ہیں۔

موجودہ دور میں جو خاندانی چکر چلا ہوا ہے۔ یہ سب ایرانیوں اور ہندوؤں کی ایجادات ہیں۔ حتیٰ کہ وہ حضرات جو خود کو سادات کہتے ہیں ان کے ائمہ نے یا تو لونڈیوں سے شادیاں کیں یا خود لونڈیوں کی اولاد ہیں۔ گویا کفاءت سے مراد خاندانی کفاءت نہیں بلکہ دینی لحاظ سے کفاءت مراد ہے۔ خاندانی کفاءت ہمیشہ اسلام میں تفریق کا سبب بنتی رہی ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ ہندوؤں اور شیعوں کی ایجاد ہے۔

سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ

اللہ غَفُورٌ رَّحِیۡمٌ ○ (المجادلہ ۱۲)

اے ایمان والو جب تم رسولؐ سے سرگوشی کا ارادہ کرو تو اس سے قبل مساکین کو کچھ خیرات دیدیا کرو یہ تمھارے لئے بہتر اور گناہوں سے پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تمھیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ (۵۸ : ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لوگوں نے کثرت سے مسائل پیدا کرنے شروع کردیئے حتیٰ کہ یہ بات حضورؐ پر شاق گزرنے لگی تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی حتیٰ کہ لوگ مصیبت میں پڑ گئے پھر اللہ تعالےٰ نے لوگوں پر وسعت فرمائی اور بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ترمذی نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تو ایک دینار کی طاقت رکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا آدھے دینار کی۔ میں نے عرض کیا میں اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا پھر کتنی طاقت رکھتا ہے میں نے عرض کیا ایک جو کے برابر۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو تو بہت زاہد انسان ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پھر اگلی آیت نازل ہوگئی۔ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ (۵۸ : ۱۳) اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اس امت پر تخفیف فرمائی۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

اول تو اس کا پہلا راوی سفیان بن وکیع ہے جس کا ہم تفصیلی حال مذہبی داستان میں پیش کر چکے ہیں۔ بار بار ایسے مختل انسان کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماشاءاللہ اسے حضرت علیؓ نے نقل کرنے والا علی بن علقمہ ہے۔ اس کے بجز ترمذی کے کسی نے روایت نہیں کی۔ یہ کوفہ کا باشندہ ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ اس کی روایت پر

اعتراض ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ پھر عقیلی نے حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت نقل کی۔
علی بن المدینی کا بیان ہے کہ اس سے سالم کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی
(میزان جلد ۳ صفحہ ۱۴۶)

سالم بن ابی بجعہ۔ اگرچہ ان کا شمار ثقہ محدثین میں ہوتا ہے لیکن مدلس بھی ہیں اور مرسل روایت پیش کرتے ہیں۔ میزان جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ سالم نے یہ روایت عن کے ذریعہ نقل کی ہے اور بخاری کا قول ہے کہ مدلس کی وہ حدیث قابل قبول نہیں جو عن کے ذریعہ نقل کی جائے اس لحاظ سے یہ حدیث مردود ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المجادلہ ۱۳)

کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات دینے سے ڈر گئے۔ اگر تم اسے ادا نہ کر سکو تو اللہ نے تمھاری توبہ قبول فرمائی۔ پس نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے (۵۸: ۱۳)

مقاتل بن حیان کا دعویٰ ہے کہ پہلا حکم صرف دس رات باقی رہا۔ کلبی کا قول ہے کہ پہلا حکم صرف ایک رات رہا۔ لیکن ابن عباسؓ اور قتادہ کی رائے ہے کہ پہلا حکم کچھ تھوڑی دیر رہا۔ حتیٰ کہ دوسری آیت نازل ہوگئی۔

قرطبی کی رائے یہ ہے کہ یہ کہنا فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا (اگر تم ایسا نہ کر سکو) یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ پہلے حکم پر عمل ہی نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل ہی اسے منسوخ کر دیا گیا اور اس سلسلہ میں حضرت علیؓ سے جو روایت مروی (جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) ضعیف ہے۔ بلکہ یہ لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ پہلے حکم پر عمل ہی نہیں ہوا۔

صحابہ سے دوستی اللہ سے دوستی ہے

ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ○ (المائدۃ ۵۵)

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور ایمان دار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔ (۵ : ۵۵)

ہر شخص کی شخصیت اور کردار اس کے دوست احباب سے پہچانا جاتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کو دوست بنانے سے قبل یہ سوچ لو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہرگز ممکن نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو دوست بنائیں جو دھوکہ باز، چالباز، فریب کار، بے ایمان، راشی، خائن، لالچی، ظالم اقتدار کے بھوکے، دین کے دشمن اور قاتل ہوں۔

یہ وہ خاکہ ہے جو ہمارے سبائی مورخین صحابہ کرام کا پیش کر کے دکھاتے ہیں گویا سبائی طبقہ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس رسول نے ایسے بدکردار لوگوں کو اپنا دوست بنایا خود اس کا کردار کیا ہوگا۔؟ اعوذ باللہ عن ہذا الکفر العظیم۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس بات کی وضاحت فرما رہا ہے کہ تمہارا دوست اللہ، اس کا رسول اور یہ مومنین صحابہ ہیں جو نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ یعنی تمہارے دوست کوئی فساق و فجار لوگ نہیں اور نہ تمہارا بے دینوں سے کوئی واسطہ ہے۔ تو اے مومنو تمہارے دوست تو یہ حضرات ہیں۔ الغرض جو تم پر نکتہ چینی کرتا ہے وہ قرآن کا مذاق اڑانا چاہتا ہے۔ تم بھی سوچو کہ کہیں تم ان تقیہ بازوں کے شکار تو نہیں؟

صحابہ کے درجات

اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۧ (الحدید ۱۰)

اور تمھارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان زمین آخر میں اللہ ہی کا رہ جاوے گا جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (فتح کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (یوں) لڑے اور اللہ تعالے نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالے کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ (۵۷: ۱۰)

تمھیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور وہ لوگ جنھوں نے بعد میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور قتال کیا برابر نہیں۔ ان سابقین کا درجہ تو بہت بلند و بالا ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہر ایک کے ساتھ نیک وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔

یعنی جن صحابہ نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور قتال کیا ان کا درجہ ان لوگوں سے بڑھ کر ہے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور اللہ کی راہ میں قتال کیا۔ یہ دونوں اگرچہ درجات میں مساوی نہیں لیکن اللہ تعالے نے ہر ایک سے بھلا وعدہ کر رکھا ہے۔

یعنی جو حضرات صحابہؓ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے جیسے عقیلؓ بن ابی طالب، ابوسفیان اور عکرمہؓ بن ابی جہل وغیرہ یہ ان حضرات کے مساوی نہیں ہو سکتے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے مثلاً امیر معاویہؓ، خالدؓ بن الولید، عمروؓ بن العاص وغیرہ۔

لیکن اللہ نے ان سب کے ساتھ نیکی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ انھیں مولفۃ القلوب کہہ کر منافق قرار دینا قرآن کی اس آیت کا انکار ہے۔ بلکہ اس شخص کے ایمان میں بھی شبہ ہے ہمارے ابتدائی مورخین جو اکثر شیعہ ہیں انھوں نے یہ کام سرانجام دیا ہے۔ مثلاً محمد بن اسحٰق، واقدی، ابومخنف، کلبی اور طبری وغیرہ۔ ان کی باتوں پر یقین کرنا سراسر قرآن کا انکار ہے۔

بس قرآن کی رو سے یہ ہر دو طبقے مساوی نہیں۔ تقریباً یہی صورتِ حال مہاجرین اور انصار میں پیش آئے گی۔ بلکہ قرآن کی رو سے مہاجرین انصار کے مقابلہ میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

کلبی رافضی کا بیان ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ ابوبکرؓ کی تقدیم اسلام کا ذکر ہو رہا ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ سب سے اول اپنی تلوار سے اسلام کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے کیا۔ اور ابوبکرؓ ہی سب سے اول وہ شخص ہیں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مال خرچ کیا۔ قرطبی ص۲۴۱

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (المجادلۃ-۱۱)

اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے اخروی درجے بلند کرے گا اور اللہ تعالےٰ کو ان کے سب اعمال کی خبر ہے (جو تم کرتے رہتے ہو)۔ (۵۸ : ۱۱)

یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک سے نقل کیا ہے یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

سے مراد صحابۂ کرام اور وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ سے مراد وہ عالم ہے جو حق کا طالب ہو۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ انسان کو پہلی بلندی ایمان کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، دوسری بلندی علم سے حاصل ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نافعؓ بن عبدالحارث مقام عسفان میں حضرت عمرؓ سے ملے اور عمرؓ اِن نافع کو مکہ کا عامل بنا رہے تھے۔ ان نافع نے دریافت کیا آپ نے وادی کا عامل کسے بنایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابن ابزی کو۔ نافعؓ نے سوال کیا کون ابن ابزی حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہمارے مولاؤں میں سے ایک مولیٰ ہے۔ نافعؓ نے سوال کیا۔ کیا آپ نے ان آزاد افراد پر ایک مولیٰ کو امیر بنا دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا قاری ہے اور فرائض کا عالم ہے۔ اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس قرآن کے ذریعہ بہت سی قوموں کو بلند فرمائے گا اور بہت سی قوموں کو اس قرآن کے ذریعہ پست کریگا۔

حضورؐ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ عالم عابد پر ایسی ہی فضیلت رکھتا ہے جیسے قمر کو عام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ روایت بلحاظ سند بہت کمزور ہے۔

صحابہ اور صحابیہ کو ایذا دینے والا صریح گناہ کا مرتکب ہے

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ (الاحزاب ۵۸)

اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انھوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔ (۳۳ : ۵۸)

جو مؤمن مردوں یا عورتوں میں سے بغیر کسی برائی کے ایذا پہنچائے گا تو جہاں

اس نے ایک بھاری تہمت لگائی وہاں اس نے ایک واضح گناہ بھی کمایا
اس آیت سے صحابۂ کرام پر تہمت لگانا اور انھیں کسی قسم کی ایذا پہنچانا حرام ہوا
خواہ وہ حضرت علیؓ ہوں یا امیر معاویہؓ ان تمام صحابہ کی ایذا دہی حرام ہے۔

مؤمن کے لئے اللہ کا فضل

ارشاد الٰہی ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب ۴۷)

اور مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے (۳۳: ۴۷)

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اپنے نبیؐ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو بتا دو کہ ان صحابہ
کرام کے لئے اللہ کی جانب سے بہت بڑا فضل ہے۔

صحابہؓ کیلئے اللہ اس کے فرشتے اور نبیؐ کی دعائے رحمت
صلوٰۃ اور صلات کا صحیح مفہوم

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ط۔ (الاحزاب ۴۳)

وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت
بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالےٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے۔ (۳۳: ۴۳)

یعنی جو الفاظ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے استعمال فرمائے
وہی الفاظ صحابۂ کرام کے لئے استعمال کئے گئے۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ

نبی اور صحابہ کا مقام ایک ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مقصود یہی ہو کہ ان منافقین مدینہ کی طرح بعد میں ایسے دشمنان صحابہ پیدا ہوں گے جو صحابہ کرام کے خلاف زبان طعن دراز کریں گے۔ اور ان حضرات کی مذمت میں کتابیں تصنیف کر کے وہ اپنا قیمتی وقت ضائع کریں گے۔ تو انہیں علم ہونا چاہیئے کہ صحابۂ کرام اللہ تعالٰی کی رحمتوں کے مستحق ہیں لعنتوں کے نہیں۔ کیونکہ رحمت اور لعنت ایک دوسرے کی ضد ہے۔ یہ ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتے جس طرح نور اور ظلمت اور اہرمن اور یزداں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عربی کا قاعدہ ہے کہ ضدین کا اجتماع محال ہے۔ کیونکہ لعنت کے مستحق وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظلمت میں مبتلا ہوں۔ اور جو لوگ کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آجائیں ان پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ لعنت نہیں ہوتی اور ہم نے صحابۂ کرام کو ظلمت سے نکال لیا ہے لہذا ان پر رحمت بھیجنا ضروری ہے۔ لہذا اللہ اور اس کے فرشتے صحابہ پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

اور جن لوگوں پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں وہ گروہ خود کس منصب پر فائز ہوگا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دھوکہ، بے ایمانی، چالبازی، مکاری اور دغا بازی کے نمونے پیش کرے۔ یہ وہ صفات ہیں جو طبری اور مسعودی جیسے شیعہ مؤرخین اپنی کتابوں میں لکھتے رہے ہیں ہمارے بے چارے سُنّی بھائی انھیں حقیقی تاریخی واقعات سمجھتے ہیں۔

شیعوں کے نزدیک صرف پانچ افراد کے علاوہ باقی سب کافر تھے لہذا وہ اپنے نقطۂ نگاہ سے کفار کا نقشہ پیش کر رہے ہیں اس لئے ان مورخوں پر ایمان لانا اور کتاب اللہ کا انکار کرنا یہ باہم ضدین ہیں۔ اگر قرآن پر ایمان کا دعوٰی ہے تو ان تمام روایات کو باطل ماننا ہوگا جو ان مورخین نے گھڑ کر خلاف قرآن پیش کی ہیں۔

یا تاریخ پر ایمان لاتے ہوئے قرآن کا قطعاً انکار کرنا ہوگا۔ اور شیعہ حضرات کا

مقصود یہی ہے کہ آپ کو اس منزل پر پہنچا دیا جائے کہ آپ قرآن کا صاف انکار کردیں۔
افسوس یہ ہے کہ ہمارے اولین مؤرخین خالص سبائی ہیں جن کو ہم نے مؤرخ اسلام مان لیا ہے اور ان کی ہر بات کو حرف آخر تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود مہا جھوٹے ہیں۔ مذہب تشیع میں دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ دین تقیہ ہے۔ یعنی خوب دل کھول کر جھوٹ بولتے رہئے۔ ہمارے مشہور مؤرخیں۔ محمد بن اسحاق محمد بن حمید، طبری، مسعودی، سدی، کلبی وغیرہ یہ سب شیعہ حضرات ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے خواہ آپ ان کی بات قبول کرکے قرآن کا انکار کریں، خواہ قرآن کو سچ سمجھیں اور انہیں مردود مان لیں۔ اور ان کی لکھی ہوئی تاریخ کو غلط مان لیں۔
صحابہ کرام پر اللہ کی رحمت وقتی اور سرسری نہیں ہے بلکہ وہ اتنی وسیع ہے کہ اللہ نے ان حضرات کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○ (البقرہ ۱۵۷)

ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔ (۲ : ۱۵۷)

صحابہ کرام پر ان کے پروردگار کی جانب سے لگاتار رحمتیں ہیں جو لامتناہی ہیں۔ ان پر برکات اور رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ اس سبب سے اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے ان پر رحمتیں نازل کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے صلوات کا لفظ استعمال فرمایا جو صلوٰۃ کی جمع ہے۔ یعنی ایک رحمت نہیں بلکہ بہت سی رحمتیں ہیں اور پھر اس لفظ صلوات کے ساتھ رحمت کا لفظ نکرہ لاکر اسے عام کردیا اور خلاصۃً آخر میں فرمایا کہ یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ اگر ان حضرات پر رحمت کا نزول نہ ہوگا تو پھر وہ کونسی ہستیاں ہیں

جن پر رحمتوں کا نزول ہو۔

جن لوگوں نے نزول رحمت الہٰی کے لئے کچھ اور فرضی ہستیاں تلاش کر رکھی ہیں انھیں اللہ تعالےٰ کا ارشاد بہت گراں گزرا۔ لہٰذا یار لوگوں نے صلوات کے معنی ہی تبدیل کر دئے۔

اول تو ہم نے صحابہ کرام کی عداوت کے اظہار کے لئے فارسی میں ایک محاورہ ایجاد کیا کہ "گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط" اردو زبان میں اس کا ترجمہ ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے "صاحب گزری ہوئی باتوں پر لعنت بھیجئے آئندہ کے لئے احتیاط برتیئے" دراصل یہ فارسی محاورے کا ترجمہ ہے۔ ورنہ اردو زبان میں فارسی محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان سبائیوں نے اپنے منصوبے بروئے کار لانے کے لئے اردو میں ایک اور محاورہ جاری کیا۔ "صلوات بھیجنا"

اہلِ سنت حضرات کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ انھیں کس کس انداز میں قرآن اور صحابہ سے دور لیجایا گیا۔ اور جن حضرات کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت کا اعلان کیا تھا ان پر محاوراتی زبان میں کس طرح لعنت بھیجی گئی۔

یہاں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ سبائی اپنی ماتمی مجلسوں میں جب اپنے فرضی اماموں کے لئے دعائے رحمت کرانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں صلات برائے آلِ محمد اور پھر پورا مجمع کہتا ہے اللھم صل علی آل محمد۔ گویا یہ صلوات محمد کے لئے ہرگز نہیں بلکہ آلِ محمد کے لئے ہے۔ لیکن اس جملہ میں صلوات کے ہم وہی معنی مراد لیں" جو گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط" میں ہم نے صلوات کے معنی مراد لئے ہیں تو غالباً آپ کو ناگوار نہ گزرے گا۔ مزید یہ کہ جب حضورؐ کا ذکر ہوتا ہے تو بولا جاتا ہے صلوات علی محمد سو یا حضورؐ کے لئے صلوات ہوتی ہے لیکن اپنے اماموں کے لئے اکثر صل علی آل محمد کہا جاتا ہے۔

ہاں آپ حضرات کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ بارہ اماموں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی موجود نہیں۔ کیونکہ اگر اماموں کے ساتھ حضورؐ کو بھی شامل کیا جاتا تو

تو بارہ کے بجائے ان اماموں کی تعداد تیرہ[۱۳] بن جائے گی جو شیعوں کے یہاں بہت منحوس عدد ہے۔ کیونکہ تین تیرہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے کہ اگر تیرہ میں سے دہائی گرادی جاتی ہے تو یاران رسول کی تعداد تین رہ جاتی ہے۔ اور یہ تین صحابہ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی جانب اشارہ ہوتا ہے جو شیعوں کے نزدیک غاصبین خلافت ہیں۔

یہ طبقہ ہرگز تین کا عدد برداشت نہیں کرسکتا بلکہ یہ تو چہار یار بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں تین کو پہلے ماننا پڑے گا۔ حتیٰ کہ اگر آپ اس کے دسترخوان پر روٹی کے تین ٹکڑے کردیں تو یہ بھی اس کی برداشت سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ یہ طبقہ روٹی کے چار ٹکڑے بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اسی واسطے پنجاب میں اہل سنت کے یہاں رواج ہے کہ دسترخوان پر آتے ہی روٹیوں کے چار ٹکڑے کردئے جاتے ہیں۔

ہم پہلے روٹیوں کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کو اولاً ایک رواج سمجھتے تھے لیکن چند سال پیشتر ہمارے پڑوس میں ایک صاحب بنام ماسٹر نیاز احمد رہتے تھے ان کے کسی شاگرد نے دعوت کی انھوں نے کھانے کے وقت روٹی کے چار ٹکڑے کردئے، نتیجۃً میزبان نے انھیں روٹی نہ کھانے دی اور آگے سے ٹرے اٹھالی۔ اور چاولوں کی تعریف شروع کردی۔ میں نے یہ تمام روداد سنکر عرض کیا کہ غلطی تو آپ کی ہے۔ آپ کو صرف تین ٹکڑے کرنے چاہیئے تھے چوتھا ٹکڑا تو صحابہ نے بھی قبول نہ کیا۔ ہاں اگر روٹی کے ٹکڑے نہ کریں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی مومن بھائی ہے جو صرف حضرت علیؓ کی خلافت مانتا ہے۔ لہٰذا آپ روٹی کے تین یا چار ٹکڑے ضرور کیا کریں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝
هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ ﷺ وعلیٰ آلہم

اَجْرًا کَرِیمًا (الاحزاب ۴۱-۴۴)

اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو وہ ایسا رحیم) ہے کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالےٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے۔ وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہو گا وہ یہ ہو گا کہ السلام علیکم اور اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ (جنت میں) تیار کر رکھا ہے۔ (۳۳: ۴۱-۴۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا کریں اور اس کا شکر ادا کیا کریں اور انسانوں پر جو اللہ تعالےٰ نے احسانات کئے ہیں ان کو بھی کثرت سے یاد کیا کریں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ذکر اللہ ترک کرنے میں کسی کا عذر قبول نہیں بجز اس کے کہ انسان کی عقل ماری جائے۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تم کو مجنون کہنے لگیں۔ یعنی خود کو صبح و شام اللہ کی تسبیح میں مشغول رکھا کرو۔

امام مجاہد کا بیان ہے کہ یہ کلمات باوضو اور بے وضو حتیٰ کہ حالت جنابت میں بھی کہے جا سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات بھیجتے ہیں تو مہاجرین و انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حکم تو آپ کے لئے مخصوص ہوا ہمارا تو یہاں کوئی ذکر نہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صلوٰۃ اللہ کا مقصد ہے انسانوں پر اللہ کی رحمت و برکت اور صلاۃ الملائکہ کا مقصد ہے فرشتوں کا مؤمنین کے لئے دعا و استغفار کرنا جیسا کہ اللہ

تعالےٰ کا ایک مقام پر ارشاد ہے وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اور فرشتے مؤمنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ اس لئے ہے کہ اے صحابہ اللہ تمھیں ظلمت سے نکال کر ہدایت پر چلاتا رہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ مؤمنین صحابہ پر رحیم ہے۔ یہ مؤمنین حضرات قیامت کے روز ایک دوسرے کو سلام کرتے ہوں گے اور ان حضرات صحابہ کے لئے اللہ نے مکرم و معزز اجر تیار کر رکھا ہے۔

ہماری اردو زبان میں صلات کا ترجمہ درود سے کیا جاتا ہے اور پھر اس کے لئے درود کے مختلف محاورات استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ فارسی کا لفظ ہے اور فارسی زبان میں لفظ درود، درودن کا حاصل مصدر ہے جس کے معنی کاٹی ہوئی فصل کے ہیں۔ اس لفظ کو صلات کے ترجمہ کے طور پر استعمال کرنا بالکل غلط ہے لیکن ہم ہمیشہ غلط العوام فصیح پر عمل کرتے ہوئے ہر غلط بات کو حلق سے نیچے اتارتے رہے عربی زبان میں صلات ایک اصطلاح ہے اس کا ترجمہ درود سے کرنا اسی قسم کی حماقت ہے جیسے محاورے میں بولتے ہیں۔ تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولھو۔

عربی زبان میں جب صلات اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی رحمت کے ہوتے ہیں لیکن جب صلاۃ الملائکہ یا صلاۃ المؤمنین کا لفظ بولتے ہیں تو اس کے معنی دعائے رحمت کے ہوتے ہیں۔ پھر لفظ صلات قرآن میں دو طرح لکھا جاتا ہے کبھی یہ لفظ صلاۃ ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ صلوٰۃ واؤ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے۔ اور اس صلوٰۃ کے معنی نماز کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ نماز بھی فارسی ہے جس کے معنی عاجزی کے ہیں اس سے بھی صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا۔

عربی زبان میں صلاۃ کی جمع صلوات آتی ہے۔ قرآن میں ہے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ ان صحابہ پر پروردگار کی جانب سے صلاتیں اور رحمت ہے لیکن ہماری اردو زبان میں محاورہ ہے صلواتیں سُنانا۔ الغرض قرآن کے ہر عظیم لفظ کا اردو زبان میں مذاق اڑایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اردو کی ان بلاؤں سے محفوظ رکھے۔

صحابہ کرام کے سلسلہ میں ہمارا حکم یہ ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلَاتَكَ (التوبہ ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جس کو یہ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے لیے کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان قلب ہے۔ (۹ : ۱۰۳)

اے نبی آپ ان صحابہ کے لئے دعائے رحمت کیجئے۔ کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے سکون کا سبب ہوگی۔ گویا اے نبی ہماری جانب سے آپ کے لئے یہ حکم ہے کہ آپ ان پر صلات بھیجیں۔

عربی زبان میں لفظ صَلَاتٌ کا امر صَلِّ آتا ہے۔ اگر اس لفظ کے بعد لفظ علیٰ آئے تو اس کے معنی ہیں۔ تو دعائے رحمت کر یا نماز جنازہ پڑھ۔ اس کی جمع صلوا آتی ہے۔ اس لئے عربی زبان میں اگر ان الفاظ کے بعد علیٰ آئے گا تو اس کے دو معنی ہوں گے۔

اول ۔ فلاں کی نماز جنازہ پڑھ۔

دوم ۔ فلاں کے لئے دعا کر۔

ساتھ ساتھ یہ ذہن میں رکھیں کہ قرآن میں جس جگہ لفظ صلات ۔ لام ۔ الف سے لکھا ہوا ہو تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں لیکن اگر لفظ صلوٰۃ واو کے ساتھ لکھا ہوا اور چھوٹی ۃ بنی ہو تو یہ لفظ نماز کے معنی دیتا ہے۔ قرآن میں ہر مقام پر اس لفظ کے یہی دو معنی ہوں گے۔

دراصل لفظ نماز فارسی لفظ ہے عربی زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اہل فارس نے پانچوں نمازوں کے لئے یہی لفظ استعمال کیا اور میّت کی دعا کے لئے بھی نماز جنازہ کا لفظ استعمال کیا جس کے باعث عوام کو اردو زبان میں لفظ صلات کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں اس لئے اردو داں طبقہ

عربی لفظ صلات کا ترجمہ نماز سے کرتا ہے حالانکہ لفظ نماز سے لفظ صلات کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہماری اردو زبان میں لفظ صلوٰۃ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ اسی لئے لفظ نماز جو عاجزی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے بولا جانے لگا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ۝ (التوبہ ۸۴)

اور ان میں کوئی مرجائے تو اس (کے جنازے) پر کبھی نماز نہ پڑھیے (۹ : ۸۴)

یہاں عام مفسرین اور علماء کرام نے اس کے معنی صلات علی المیت کے لئے ہیں یعنی آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ معنی یہ ہوں کہ ان کے لئے دعائے رحمت نہ کیجئے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (التوبہ ۱۰۳)

اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان قلب ہے۔ (۹ : ۱۰۳)

یعنی اے نبیؐ اگر ان صحابہ میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھیے کیونکہ آپ کی نماز ان کے لئے سکون کا سبب ہوگی۔ آیت میں ہر دو معنی مراد ہو سکتے ہیں لیکن حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ اپنی قوم کے صدقات لیکر حاضر خدمت رسولؐ ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى — اے اللہ ابی اوفیٰ کی اولاد پر رحمت بھیج

اور چونکہ ابو اوفیٰؓ صدقات پیش کر رہے ہیں اور سامنے موجود ہیں۔ لہذا وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اس کے بعد تک حیات رہے لازماً اس کے معنی یہاں دعائے رحمت کے ہوئے۔

لفظ صَلِّ جس کا ترجمہ اردو زبان میں درود بھیج اور صلوا کا ترجمہ درود بھیجو سے کرتے ہیں۔ میری عمر اب ۶۵ سال سے متجاوز ہو گئی لیکن میں اس لفظ درود کے معنی نہ سمجھ سکا۔ فارسی زبان میں لفظ درود حاصل مصدر ہے اور اس کا مصدر درودن ہے جس کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں اور درود کے معنی ہیں کاٹا ہوا۔ کس نے کاٹا۔ کیا کاٹا

اور کس لئے کاٹا۔ اس کی تشریح اپنے سبائی مجتہدین سے کرا لیجئے، ہم اپنی مولویانہ زبان میں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم صادر فرمایا۔

صلو علیہ اس کے لئے دعائے رحمت کرو۔

اور اپنے نبی کو حکم دیا۔

صل علیھم اے نبیؐ آپ ان کے لئے دعائے رحمت کیجیے۔

گویا معاملہ یک طرفہ نہیں بلکہ ادلا بدلی کا معاملہ ہے۔ ہمیں جہاں یہ حکم دیا گیا کہ نبیؐ کے لئے دعا کرو یعنی درود بھیجو، وہاں نبیؐ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ان کے لئے دعائے رحمت کریں۔ اور ہر دو جگہ امر کا صیغہ استعمال کیا گیا جو شوافع اور اہل حدیث کے نزدیک وجوب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ احناف کے نزدیک یہ متعدد معنی دیتا ہے۔ تاہم امت کے ایک طبقہ کے نزدیک ہم پر لازم ہے کہ ہم حضور صلعم کے لئے دعائے خیر کریں یعنی درود بھیجیں۔ اور حضورؐ پر لازم کیا گیا کہ وہ صحابہؓ کے لئے دعائے رحمت کریں یعنی درود بھیجیں۔ گویا صورت حال یہ بنی کہ ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو۔

اب رہ گیا مسئلہ صلاۃ اللہ۔ یعنی اللہ کے درود کا۔ کہ اللہ میاں کیسے درود بھیجتے ہیں۔ کیا وہ کسی اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ نبی پر درود بھیجو اور غالباً وہ کسی اور اللہ سے التجا کرتا ہو اور یہ سلسلہ لامتناہی چلتا جائے گا۔ عیاذاً باللہ

بات صرف اتنی مختصر سی ہے کہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ صلات اللہ سے مراد اللہ کی رحمت ہے۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ایک اللہ دوسرے سے التجا کر رہا ہے۔ یہی بات قرطبی نے اپنی احکام القرآن میں، نسفیؒ نے اپنی مدارک میں، سیوطی نے جلالین میں، فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور بیضاوی نے اپنی انوار التنزیل میں بیان کی ہے۔

ہاں گو یئے قسم کے ملاؤں کا یہ دعویٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ بھی درود بھیجتا ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی کھڑے ہو کر اور حلقہ بنا کر کورس کی شکل میں درود بھیجیں۔ اگرچہ قرآن و سنت میں تو کہیں یہ تذکرہ نہیں کہ اللہ میاں فرشتوں کا حلقہ بنا کر

کسی اور اللہ سے التجا کرتے ہوں ۔ اللہم صل

ہاں سطور بالا سے یہ بات ضرور ثابت ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود پر درود بھیجتے ہوں یا نہ بھیجتے ہوں لیکن صحابۂ کرام پر ضرور درود پڑھتے تھے یعنی ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے ۔ اس لئے کہ آپ پر یہ فریضہ عائد کیا گیا تھا ۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے صرف حضور پر درود بھیجتے ہیں (یعنی رحمت بھیجتے ہیں) کسی اور پر نہیں اور یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے تو یہ بات بھی حلق سے نیچے اترتی نظر نہیں آتی ۔ اس لئے کہ سورۂ احزاب میں اللہ تعالے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے ۔

اللہ تعالے کا ارشاد ہے ۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿١٩﴾ (محمد ۱۹)

تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی ۔ اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے ۔ (محمد : ۱۹)

اے نبیؐ آپ اس امر کو ذہن میں رکھیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور الہٰ نہیں ۔ اور آپ اپنی لغزشوں کی اور مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہئے ۔ اللہ تعالے خوب جانتا ہے کہ تمھارا اس دنیا سے کیسے جانا ہو گا اور تمہارا ٹھکانا کہاں ہے ۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم کیا گیا کہ وہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں یعنی صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے رہیں ۔

اللہ کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ

اللہ تعالے کا ارشاد ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○ (الممتحنة - ۱)

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ (۶۰ : ۱)

مسلم وغیرہ میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو روانہ کیا اور فرمایا روضہ خاخ میں (یہ مقام مدینہ سے بارہ میل پر تھا) پہنچ وہاں ہودج میں ایک عورت ملے گی اس کے پاس خط ہے وہ اس سے حاصل کرنا۔ ہم مدینہ سے چلے اور ہمارے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ اچانک ہمیں ایک عورت نظر آئی۔ ہم نے اس سے کہا خط نکالو۔ اس نے جواب دیا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا یا تو خط دیدو ورنہ ہم تمہاری جامہ تلاشی لیں گے۔ اس نے اپنے بالوں سے خط نکالا۔ اس خط کو لیکر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا جو مشرکین مکہ کے نام لکھا گیا تھا اور اس میں حضورؐ کے بعض ارادوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا

اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے؟۔

انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ پر جلدی نہ کیجئے میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش کا حلیف ہوں لیکن ان کے خاندان سے نہیں ہوں۔ یارسول اللہ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ میں قرابتیں ہیں جو ان کے اہلِ خاندان کی حفاظت کریں گے یارسول اللہ میں یہ چاہتا تھا کہ جب وہاں میرا نسب کام نہیں آسکتا تو میں ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کروں جس کے باعث وہ میری قرابت کی حفاظت کریں۔ اس سے میرا مقصد کفر یا دین سے مرتد ہونا نہ تھا اور نہ اسلام کے بعد کفر پر راضی ہونا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ سچ بول رہا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ شخص بدر میں حاضر تھا اور اہلِ بدر کے معاملہ میں اللہ تعالےٰ مطلع فرما چکا تم جو چاہے کرو میں تمھاری مغفرت کر چکا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جاسوس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اگر جاسوس کے قتل کرنے کا رواج ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اصبغ کا بیان ہے کہ اگر جاسوس کافر ہے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر مسلم یا ذمی ہے تو اسے سزا دی جائے گی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ اَوْلِیَاءَ۔ اکثر کفار کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسی لئے ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اولیاء کی دو قسمیں ہیں اولیاء الرحمان اور اولیاء الشیطان لہٰذا جو شخص اللہ کا ولی نہیں وہ شیطان کا ولی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارے صوفیاء جنھیں آجکل اولیاء اللہ کہا جاتا ہے ان میں سے بیشتر اولیاء الشیطان ہیں۔ اولیاء الرحمان نہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ (المجادلہ۔ ۲۲)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے)۔ (۵۸ : ۲۲)

یہی وہ پاکیزہ جماعت ہے جس نے دین کی خاطر ہر قسم کی سرفروشی کی۔ ہمہ قسم کے مصائب برداشت کئے۔ اور کفار کے بالمقابل صف آرا ہوئے حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے تمام خونی رشتوں کو بھی بالائے طاق رکھدیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے بھی ان کی اس خوبی کو بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتا ہو ان لوگوں سے یہ صحابہ دوستی نہیں رکھ سکتے۔ خواہ وہ دشمن ان کے باپ دادا ہوں یا اولاد، یا بھائی بند یا اہل قبیلہ۔

دراصل اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں ایمان لکھدیا ہے۔ اور حضرت جبرئیل کے ذریعہ ان صحابہ کی مدد بھی فرمائی۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان لکھتا ہے اور جبرئیل کے ذریعہ ان کی مدد کرتا ہے دراصل یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے ماں باپ، بیٹے، بھائی بند اور اہل قبیلہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ نے ان حضرات کے دلوں میں ایمان لکھدیا ہے اور جبرئیل کے ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔

مہاجرین مکہ کا یہی حال تھا کہ وہ ایمان کی خاطر اپنے اعزا و اقارب اور رشتہ داروں کو

چھوڑ کر مکہ سے مدینہ آئے اور پھر اپنے بھائی بندوں کے بالمقابل تلوار لے کر صف آرا ہو گئے، حتیٰ کہ فتح مکہ کے وقت بھی کفار مکہ ان حضرات کے مد مقابل آتے رہے۔ اور کسی وقت بھی ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ یہ ہمارے بھائی بند اور رشتہ دار ہیں

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کا بیان ہے کہ یہ آیت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے احد کے دن یا بدر کے دن اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ کیونکہ جراح ہر وقت ان کے قتل کی فکر میں منہمک رہتا تھا۔ ابو عبیدہؓ کنارہ کشی کرتے لیکن جب جراح نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تو ابو عبیدہؓ نے بھی ان کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی صورت اس آیت میں بیان کی۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے سگے بھائی عبیدؓ بن عمیر کو بدر کے روز قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بدر کے روز قتل کیا۔ علیؓ اور حمزہؓ نے بدر کے روز عتبہ اور شیبہ کو قتل کیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں مختلف خطابات عطا ہوئے اور

یہ کہ اولاً اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھدیا ہے۔ دوئم :۔ جبرئیلؑ کے ذریعہ ان کی مدد کی۔ سوئم :۔ انھیں جنتوں میں داخل کرے گا۔ چہارم :۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور یہ اللہ سے راضی ہو چکے۔ دراصل یہی لوگ حزب اللہ ہیں۔ اور خبردار حزب اللہ ہی غالب رہیں گے۔

جو مؤرخین حضرات ان صحابہ کرام پر اتہامات لگاتے ہیں دراصل وہ قرآن کے منکر ہیں۔ انھیں صحابہ کرام کے حالات پڑھتے وقت یہ امر ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ لہذا ہر قصہ اور ہر وہ کہانی جو خلاف قرآن ہو باطل ہے۔ اور اکثر تاریخی کہانیاں یہودیوں اور سبائیوں کی اختراع کی ہوئی ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جس نے صحابہ کے ایک طبقہ کو دوسرے کے خلاف جھوٹ بول کر اکسایا اور ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا۔ ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم یہ دیکھیں کہ کون کس کے مدمقابل آیا۔ بلکہ ہمیں پہلے یہ غور کرنا چاہیئے کہ وہ کونسا طبقہ ہے جس نے

ایک کو دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کام کے انجام دینے کے لئے کچھ فریب کاری بھی کی ہوگی۔ اسی فریب کاری کا دوسرا نام آج "تاریخ اسلام" ہے۔

اللہ کے دین کی معاونت پر اجر

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝ (محمد ـــ ۷)

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جمادے گا۔ (۴۷ : ۷)

یعنی اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی معاونت کروگے تو اللہ تعالےٰ تمھاری مدد فرمائے گا۔ تمھیں کفار کے مقابلہ میں کامیاب فرمائے گا۔ اور قتال کے وقت تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔

دنیا اس امر کو خوب جانتی ہے کہ قتل و قتال کے وقت صحابۂ کرام نے کس طرح جان نثاری کا ثبوت پیش کیا۔ تاریخ میں اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ اس آیت میں اہلِ ایمان سے مراد مہاجرین و انصار دونوں ہیں۔ کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور مدینہ میں رہتے ہوئے کوئی غزوہ ایسا نہیں گزرا جس میں انصار مدینہ شامل نہ ہوئے ہوں۔ اس طرح یہ آیت ہر دو طبقوں کے لئے عام ہے۔

اہلِ کتاب کی آرزوئیں

ارشادِ الٰہی ہے۔

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (البقرہ ـــ ۱۰۹)

ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے حق واضح ہوئے پیچھے خیر (اب تو) معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں۔ (ب: ۱۰۹)

اس آیت سے یہ امر واضح ہوگیا کہ کفار اور اہل کتاب (اور سبائی) صحابۂ کرامؓ سے بغض رکھتے تھے۔ (اور آج تک رکھتے ہیں) وہ صحابۂ کرام کا کچھ نہ بگاڑ سکے مگر دل ہی دل میں جلتے ضرور رہے اور صحابہ کرام کے خلاف سازشیں بھی کرتے رہے تاکہ صحابۂ کرامؓ کی پوزیشن خراب ہو جائے۔ اور یہ کہ صحابۂ کرام پر ایمان رکھنے والے افراد کچھ نہ کچھ ہمارے جال میں آجائیں (کیونکہ بعد کے افراد صحابۂ کرامؓ کے مقام پر فائز نہ تھے) اس سے کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ بعد میں آنے والے لوگ اپنے عقائد اور اعمال میں کمزور پڑ جائیں گے جس سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین و مجوسین کے غیظ و غضب اور حسد کی آگ میں کچھ نہ کچھ کمی واقع ہوگی۔

ان دشمنان صحابہ نے جو کچھ کیا آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے ایسے ہزار ہا ایجنٹ تیار کر دیئے جو ان کی فکر کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ اب ان کو خود کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ اب تو وہ دور سے بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔

لیکن صحابۂ کرام کا محافظ اللہ تھا اور محافظ کیوں نہ ہوتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے یہ اولین گواہ تھے۔ یہ حضرات نزول قرآن کے عینی شاہد تھے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور آپ کی ہر ادا سے واقف تھے۔ یہ حضرات قرآن لکھنے والے اور یاد کر کے دوسروں تک پہنچانے والے ہیں۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو قرآن مجید آج اصلی حالت میں ہمارے پاس موجود نہ ہوتا۔ بلکہ توراۃ و انجیل کی طرح محرّف ہو چکا ہوتا اور اس طرح ختم نبوت کا مفہوم کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ اس لئے ان حضرات کا وجود ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے ذمہ لے لی۔

فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ (البقرہ ۔ ۱۳۷)

آپ کی طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ ۔ (۲ : ۱۳۷)

جس طرح یہ کہکر ۔

وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ ۔ ۶۷)

اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا ۔ (۵ : ۶۷)

کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی ۔

دشمنان اسلام (یہود ، مجوس اور نصاریٰ) کا حربہ یہ ہے کہ پہلے تو صحابۂ کرامؓ کو بدنام کیا جائے تاکہ قرآن مجید کے جو عینی شاہد ہیں ان کی شہادت کو باطل ثابت کیا جاسکے اور جب یہ شہادت باطل ہو جائے گی تو قرآن کا منجانب اللہ ہونا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا ثبوت یا تو کالعدم ہو جائے گا ۔ یا آپ کی رسالت مشکوک ہو جائے گی ۔ اور مشکوک شخص کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی اور جب یہ چیزیں باطل ہو جائیں گی تو قرآن غائب بھی قابل قبول ہوگا ۔ اور بارہ اماموں کی امامت کے پردے میں ان کی نبوت بلکہ بارہ اشخاص کی خدائیت کا فارمولا منوانا سہل ہو جائے گا ۔

اس کا صحیح حل یہی ہے کہ صحابۂ کرامؓ پر تنقید سے احتراز کیا جائے خواہ وہ تنقید امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر ہو یا حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر ۔ پس پردہ ایک ہی فارمولا کام کر رہا ہے ۔ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی صحابۂ کرام کی ذات اقدس کو ہدف ملامت بنانا اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنا ۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے ۔ آپؐ کو ان حضرات سے محبت اور قلبی تعلق تھا ۔ ان حضرات کی محبت میں تفاوت تو ہو سکتا ہے ۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ نبیؐ کے ساتھی تھے ۔ اور کسی کے ساتھیوں سے دشمنی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جماعت کے مقاصد اور اس کے اصولوں سے عداوت ہے یا جماعت کے سربراہ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے نفرت ہے اسی لئے ایک حدیث میں آتا ہے ۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذ وھم من بعدی
غرضا فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فبغضی ابغضھم
میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو اپنی
اغراض کا ذریعہ نہ بنا لو۔ ان سے جو محبت کرے گا وہ میری غرض سے محبت کریگا
اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھے گا۔

اسی لئے ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ دشمنان صحابہ کرام کے پیش نظر صرف دو مقاصد ہیں۔ یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی یا اس دین سے دشمنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی صورت میں نازل ہوا۔ اور جب ہم اس نظریہ سے سبائی مذہب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دونوں عداوتیں کارفرما نظر آتی ہیں۔

قرآن کے مقابلہ کے لئے ایک چالیس پاروں کا فرضی قرآن وضع کیا گیا۔ اور اس خیال سے کہ اس کی خامیوں کا پتہ نہ چل سکے اسے ایک راہ چلتے پانچ سالہ بچے (امام غائب) کے ہاتھ میں تھما دیا گیا اور پھر اسے تمام دیگر صحیفے تھما کر غائب کر دیا گیا۔ (ہو سکتا ہے کہ سبائیوں کے سرپرست اعلیٰ یعنی اسرائیل نے اسے اغوا کر لیا ہو اور بیت اللحم میں محفوظ کر دیا ہو۔)

سبائیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقابل کے لئے بارہ اماموں کا فارمولا وضع کیا۔ اور اس طرح عقیدۂ ختم نبوت اور تکمیل دین کے مسلمہ عقیدے پر پانی پھیر اگیا۔ پھر بھی ہر جگہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ہمارا قرآن ایک، ہمارا رسول ایک، ہمارا دین ایک!!!

آپ اس فارمولے کی اگر صحیح حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو محترم منظور نعمانی صاحب کی تصنیف "ایرانی انقلاب" کا مطالعہ فرمائیے۔ یہ فارمولا پورے طور پر سمجھ میں آجائے گا۔

صحابہ کے باعث اہلِ مکہ عذاب سے محفوظ رہے

ارشادِ الٰہی ہے۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ (الانفال ۔ ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ آپ کے ان میں ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور نہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔ (۸ : ۳۳)

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو مخاطب کر کے بیان کر رہا ہے کہ تم پر عذاب عام نازل نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں۔ اور ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک نبی ان میں موجود رہتا ہے۔ لیکن یہ وجہ تو ہجرت رسولؐ سے ختم ہو گئی۔

۲۔ اور ہم اہلِ مکہ کو اس وقت تک عذاب نہ دیں گے جب تک مکہ میں استغفار کرنے والے موجود ہیں۔

گویا کسی قوم پر عذاب عام اس وقت نازل ہوتا ہے جب اس قوم میں کوئی مومن باقی نہ رہے۔ لیکن حضورؐ نے جب ہجرت فرمائی تو اہلِ مکہ نے بہت سے موحدین کو قید کر لیا مثلاً ولیدؓ بن الولید جو حضرت خالدؓ بن الولید کے بھائی ہیں۔ اور جن کا باپ ولید بن مغیرہ مکہ کا ایک سردار اور رئیس تھا۔ اسی طرح سلمہؓ بن ہشام جو عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کا بھائی تھا۔ اسی قسم کے اور دیگر افراد تھے۔ کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں لیکن ان کے خاوند ابھی کافر تھے۔ مثال کے طور پر ام الفضلؓ جو حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام لائیں لیکن ان کے خاوند عباسؓ فتح مکہ کے وقت ایمان لائے۔

گویا ان حضرات کے سبب جو مکہ میں قید رہ گئے تھے پورے اہل مکہ عذاب سے محفوظ رہے۔ چنانچہ جس بستی میں صحابۂ کرام موجود ہوں وہ بستی بھی عذاب سے محفوظ رہتی ہے۔ جب ان چند صحابہ کے باعث پورے اہل مکہ کو جو کافر تھے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو دیگر دعویداران اسلام کو کیسے محفوظ نہ رکھا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں اہل مدینہ اور اہل مکہ پر کوئی عذاب نہ آیا۔

کیونکہ تمام ایمان قبول کرنے والے ان دونوں مقامات پر موجود تھے۔ اگر عذاب آیا تو صرف اہلِ کوفہ پر آیا حتیٰ کہ تاریخ میں الکوفی لا یوفی کا محاورہ مشہور ہو گیا۔

کفارِ مکہ سے دوستی کے امکانات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الممتحنہ۔ ۷)

اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمھاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (۶۰ : ۷)

اس کی امکانی صورت یہ ہے کہ کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور ان سے مسلمانوں کا اختلاط پیدا ہو جائے۔ جیسے ابوسفیانؓ بن حرب، حارثؓ بن ہشام، سہیلؓ بن عمرو، حکیمؓ بن حزام یا جیسے عقیلؓ بن ابی طالب اور ام ہانیؓ وغیرہ۔

صدق، صداقت، صدیقیت

انسان کے قول و عمل کی صحت اور درستگی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کی زبان اس کے دل کی ترجمان ہو، یعنی زبان اور دل باہم ہم آہنگ ہوں، جس امر کا اقرار دل کرے وہی زبان سے اقرار ہو۔ اسی کو اصطلاح میں صدق اور صداقت کہا جاتا ہے۔

جو شخص صادق القول یعنی سچا نہیں اس کا دل ہزار برائیوں کا مجموعہ ہے۔ اسی باعث ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ "منافق کی تین علامات ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب عہد کرے تو توڑ دے اور اگر کوئی امانت لا کر رکھے تو اس میں خیانت کرے"۔ اور مسلم کی ایک روایت میں مزید اضافہ ہے "کہ جب لڑے تو گالیاں بکنی شروع کر دے"۔ تو ایسا شخص خالص منافق ہے خواہ وہ نماز پڑھے خواہ وہ روزہ رکھے

سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ جو انسان سچا ہوگا وہ دیگر برائیوں سے بچنے کی سعی کرے گا۔ ایسا شخص ایماندار ہوگا۔ اس کا دل نفاق اور تقیہ سے پاک ہوگا۔ وہ عہد کو پورا کرے گا اور بدعہدی سے احتراز کرے گا۔ ایسا شخص دلیر ہوگا۔ بزدل نہ ہوگا۔ صاف دل ہوگا۔ ریاکار اور دھوکہ باز نہ ہوگا۔ اس کے دل میں نفاق نہ ہوگا۔ اس کی شان یہ نہ ہوگی کہ سامنے کچھ اور پیچھے کچھ۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوگا۔ ایسا شخص خوشامدی نہ ہوگا۔ لوگوں کو اس کے قول و فعل پر اعتبار ہوگا۔ ایسا شخص جو کہیگا وہ کرے گا۔ اس لحاظ سے صداقت ہزاروں خوبیوں کی بنیاد ہے۔ جس انسان میں یہ صفت پائی جائے گی وہ صفت شجاعت اور عبادت سے بھی متصف ہوگا۔ اور اقبال کے اس شعر کا نمونہ ہوگا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

صدق اور صداقت صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک بہت بڑی صفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہوسکتا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝ (النساء ۴ : ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا۔ (۴ : ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ نے جو کلام نازل فرمایا وہ بھی صداقت کا ایک شاہکار ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ (النساء ۸۷)

اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔ (۴ : ۸۷)

اور پھر جو ذات گرامی اس صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے وہ بھی صداقت کا ایک نمونہ ہے۔ اور جن حضرات نے اس کی تصدیق کی وہ بھی صداقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (الزمر ۳۹-۳۳)

اور وہ شخص جو سچائی لیکر آیا اور جس شخص نے اس کی تصدیق کی تو یہ لوگ متقی ہیں۔ (۳۹ : ۳۳)

اسی باعث اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو حضرات صداقت کا پیغام لے کر آئے وہ صدیق کے خطاب سے نوازے گئے۔ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ○ (مریم - ۴۱)

اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیجیے وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔ (۱۹ : ۴۱)

حضرت ادریسؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ○ (مریم - ۵۶)

اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کیجیے۔ بے شک وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔ (۱۹ : ۵۶)

حضرت اسمٰعیل نے اپنے والد سے صبر و شکر کا وعدہ کیا اور پھر اس وعدے پر پورے بھی اترے۔ نتیجۃً انھیں اللہ تعالےٰ کی جانب سے صادق الوعد (وعدہ کا سچا) کے خطاب سے نوازا گیا۔ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ○ (مریم - ۵۴)

اور اس کتاب میں اسمٰعیلؑ کا بھی ذکر کیجیے بلاشبہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ (۱۹ : ۵۴)

ظاہر ہے کہ جب اللہ بھی سچا، اس کا کلام بھی سچا، اس کلام کو پہنچانے والے بھی سچے تو جن حضرات نے اس سچائی کو قبول کیا۔ اور دوسروں تک پہنچایا وہ بھی سچے ہوئے ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (الزمر ۳۳)

اور وہ ہستی جو سچائی لیکر آئی اور جس نے اس سچائی کی تصدیق کی تو یہ لوگ متقی ہیں (۳۹ : ۳۳)

یعنی متقی وہ لوگ ہیں جن کی شان صداقت ہے اور جن کی شان کذب بیانی ہو اور وہ سچ سے عاری ہوں وہ تقیہ باز تو ہو سکتے ہیں۔ متقی نہیں ہو سکتے۔

ان اہلِ تقیہ کی پہچان یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام صحابہ جھوٹے اور فریبی ہیں۔

حتیٰ کہ وہ قرآن بھی چھوٹا جس میں صحابہ کی عظمت بیان کی گئی ہے۔

اسی لئے ہم میں سے اکثر حضرات نے صحابۂ کرام کو قرآن کی نظر سے دیکھنے کی بجائے انھیں اب تاریخ کے آئینہ میں دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ تاریخ خود ان تقیہ بازوں کی وضع کردہ ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں اول دنیا پرستوں کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ پھر اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

(آلِ عمران - ۱۵)

آپ فرما دیجئے کیا میں تمھیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں ان لوگوں کے لئے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے پروردگار کے نزدیک جنتیں ہیں جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور پاک بیویاں ملیں گی اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔ اور اللہ بندوں کو بہت دیکھنے والا ہے۔ (۳ : ۱۵)

پھر اس کی تشریح کرتے ہیں کہ متقی کون لوگ ہوتے ہیں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آلِ عمران-۱۶)

وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب یقیناً ہم ایمان لئے آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ (۳ : ۱۶)

یہ ایمان لانے والے اور مغفرت کے لئے ہاتھ پھیلانے والے یہی صحابۂ کرام ہیں جو ان اوصاف کریمہ سے متصف ہیں۔

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝ (آلِ عمران-۱۷)

[illegible]

[illegible] لا ایمان له ۔ جس شخص کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس ایمان

[illegible] تقیہ کے بغیر کوئی کام کرے ۔

[illegible] جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صادق، صابر، قانت اور مستغفر بالاسحار

[illegible] تاریخ کے آئینہ میں کذاب ۔ مکار، دھوکہ باز اور

[illegible] نظر آتے ہوں ۔ اس صورت حال کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ یا تو تاریخ

[illegible] یا قرآن کو ۔ اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے ۔

اس میں کسی قسم کا تغیر اور ردو بدل واقع نہیں ہوا۔ لہذا یہ قرآن سچا ہے۔ تاریخ ان مورخین کی سنی سنائی اور من گھڑت کہانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کی شان بیان کرنے کے بعد عام مسلم مردوں اور عورتوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب - ۳۵)

یقیناً مسلمان مرد، مسلمان عورتیں، مؤمن مرد، مؤمن عورتیں۔ گڑگڑانے والے مرد، گڑگڑانے والی عورتیں، تصدیق کرنے والے مرد، تصدیق کرنے والی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد، روزہ رکھنے والی عورتیں۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔ (۳۳ : ۳۵)

ان تمام صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے لئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے جو خصوصی اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک صفت صداقت بھی ہے یعنی یہ تمام آیات ہماری تاریخ کو پیش نظر رکھکر نازل کی گئی تھیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے ہی سے باخبر کر دیا تھا کہ ان کہانیوں کے واضعین جھوٹے اور تقیہ باز لوگ ہیں۔

ترمذی نے ام عمارہ انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ہم جتنے بھی احکام دیکھتے ہیں اس کے مخاطب مرد ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے عورتوں کا کسی بات میں ذکر

نہیں فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔
امام مجاہد کا بیان ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک اللہ کا ذکر نہیں کر سکتا جب تک کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر نہ کرے۔
حضرت ابو سعیدؓ خدری کا بیان ہے کہ جس نے رات کو بیوی کو جگایا تا کہ وہ بھی نماز میں شامل ہو جائے اور چار رکعت نماز پڑھی۔ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔
یعنی اسی قسم کے افراد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے گویا جو حضرات ان صفات سے متصف ہوں گے ان کے لئے اللہ کی جانب سے مغفرت کا وعدہ ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ ان صفات سے تمام صحابہ متصف تھے خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار۔
سورۃ اللیل میں اللہ تعالیٰ دو مختلف لوگوں کا حال بیان کر رہا ہے۔ ایک وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ جو بقول مفسرین ابوبکر صدیقؓ ہیں اور دوسرا وہ شخص جس نے تکذیب کی جو بقول مفسرین آمیہ بن خلف ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (الیل ۵-۷)
پھر وہ شخص جس نے مال دیا اتقویٰ اختیار کیا اور اچھی باتوں کی تصدیق کی ہم اس کے لئے آسانیاں مہیا کر دیں گے۔ (۹۲:۵-۷)
قرآن کی ان آیاتِ کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ تمام صحابہ کرام صادق اور صدیق ہیں وہ جھوٹ قطعاً نہیں بول سکتے۔ ورنہ قرآن کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ اسی لئے تمام محدثین وفقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ ان پر جرح نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے محدثین نے آج تک صحابہ پر جرح نہیں کی۔
حاصل کلام یہ کہ جب تمام صحابہ صادق اور صدیق ہیں تو ایسی تمام تاریخی روایات جن سے صحابہ کا مکروفریب، بے ایمانی اور جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہو وہ سب روایات جھوٹی اور سبائی اختراع ہیں۔ خواہ وہ ابن اسحاق نے نقل کی ہوں یا وہ طبری نے بیان کی ہوں۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ طبری پر نہیں۔
سورۂ احزاب کی (آیت ۲۴) میں صحابہ کرام سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔ کہ آخرت میں اجر الٰہی کا حصول صداقت پر موقوف ہے اور جو صداقت سے عاری ہوتے ہیں انہیں قرآن کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے اللہ کا عذاب ہے جسے وہ قیامت کے دن دیکھ لیں گے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ اب منافقت اور کذب بیانی کا دوسرا نام تقیہ رکھ لیا گیا ہے

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ (الانعام - ۱۱۶)

یہ وہ دن ہے جب اللہ سچوں کو ان کی سچائی کے باعث نفع دیگا۔ (۶ : ۱۱۶)

اسلام میں صداقت کی اہمیت اتنی بڑھائی گئی کہ صرف اتنی ہی بات پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ سچائی اختیار کرو بلکہ یہ بھی تاکید کی گئی کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ اور ان لوگوں سے رابطہ رکھو جو سچ بولتے ہیں تاکہ ان کی سچائی کا اثر تم پر بھی ہو اور منافقوں سے دور رہو تاکہ ان کی کذب بیانی تم پر اثر انداز نہ ہو۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت کعبؓ بن مالک اور ان کے ساتھ دیگر دو اشخاص بلا عذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین مدینہ نے آپ کے سامنے جھوٹے عذر تراشنے شروع کئے لیکن کعبؓ بن مالک اور ان کے ساتھ ان کے دو ساتھیوں نے سچ بولتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ ہم حقیقتاً بلا عذر رک گئے تھے اور ہمارے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ نتیجتاً چالیس روز تک ان سے ہر قسم کا تعلق ختم کر دیا گیا۔ جب یہ مدت امتحان گذر گئی تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔ اور دیگر مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (التوبہ - ۱۱۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (۹ : ۱۱۹)

مفسرین کے نزدیک یہاں سچے افراد سے مراد وہ تمام صحابہ ہیں جنھوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور جن کی سچائی کا بارہا امتحان ہو چکا تھا۔

چنانچہ حضرت انسؓ بن النضر کو غزوۂ بدر میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اور اس کی تلافی کے لئے انھوں نے یہ کہا تھا کہ اگر مجھے آئندہ کسی غزوہ میں شرکت کا موقعہ ملا تو میں بھی اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤں گا۔ چنانچہ وہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور نیزے، تلوار اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہوئے۔ حتیٰ کہ ان کی

نعش کا پہچاننا دشوار ہو گیا۔

قرآن نے ایسے لوگوں کو صدیق کے خطاب سے نوازا ہے۔ ایک مقام پر فقراء مہاجرین کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ (الحشر - ۸)

ان مہاجرین فقراء کے لئے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دئے گئے جو اللہ کے فضل اور رضامندی کے متلاشی رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہ لوگ سچے ہیں۔ (۵۹ : ۸)

قرآن کی اس آیت نے یہ ثابت کر دیا کہ فقراء مہاجرین اللہ کی رضا کے متلاشی اور سچے لوگ تھے۔ ان میں منافقت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا۔

قرطبی نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے جابیہ میں ارشاد فرمایا جو شخص قرآن کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ ابیؓ بن کعب کے پاس جائے۔ جو فرائض کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہے وہ زیدؓ بن ثابت کے پاس جائے۔ جو فقہ کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ معاذؓ بن جبل کے پاس جائے۔ اور جو مال کا سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آئے۔ کیونکہ اللہ نے مجھے اس کا خزانچی اور قاسم بنایا ہے۔ خبردار میں پہل تو ازواج مطہرات سے کروں گا اور انھیں دوں گا۔ پھر مہاجرین اولین کو جن میں میں اور میرے ساتھی ہیں۔ ہم مکہ سے اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے۔" اور چونکہ یہ رسول اللہ کی مدد کیلئے ہوا تھا تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ تمام مہاجرین صحابہ صادقین ہیں۔ سبائیوں کے بقول منافق نہیں؟

سورۂ حدید میں اللہ تعالےٰ نے صحابۂ کرامؓ کی دو قسمیں بیان فرمائیں۔ ایک تو فتح مکہ سے قبل ایمان لانے والے۔ دوسرے بعد میں ایمان لانے والے۔ اور اس کے بعد ہر دو طبقوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ (الحدید - ۱۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے یہ لوگ صدیق ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس گواہ ہوں گے۔ ان کو اجر بھی ملے گا اور انھیں نور بھی حاصل ہوگا۔ (۵۷ : ۱۹)

گویا فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ گویا یہ فضیلت ابوسفیانؓ وغیرہ کی بیان کی جارہی ہے۔

قرآن میں شہید ہر جگہ بمعنی گواہ آئے ہیں۔ یعنی یہ سب حضرات وحدانیت الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہ اور صدیق ہیں۔ ان سب حضرات کو جہاں اجر ملے گا وہاں ان کو نور بھی حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ - ۱۷۷)

نیکی صرف یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کی جانب منہ کرلو۔ بلکہ نیک تو وہ ہے جو اللہ پر، روز آخرت پر، ملائکہ پر، کتاب پر اور انبیاء کرام پر ایمان رکھتا ہو اور جو محبت کے باوجود مال، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی میں خرچ کرتے ہوں۔ اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہوں اور عہد کرنے کے بعد عہد کو پورا کرتے ہوں۔ اور جو لوگ تنگی، بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہوں۔ یہ لوگ سچے ہیں اور یہی متقی لوگ ہیں۔ (۲ : ۱۷۷)

ان آیات کریمہ میں جن حضرات کو صادق اور متقی قرار دیا گیا ہے ان کے تین قسم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) کمال ایمان۔

(۲) اعمال صالحہ۔

(۳) مصائب اور امتحان کے وقت صبر۔

جو حضرات علم و عمل کے ان فضائل کو بدرجۂ اتم حاصل کر لیتے ہیں انھیں قرآن کی زبان میں صدیق کہا جاتا ہے۔ جو نبوت کے بعد انسانیت کا سب سے بڑا درجۂ کمال ہے۔

ایک اور مقام پر صحابۂ کرام کی شان ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا
وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات - ۱۵)

یقیناً وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ پھر اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں کیا اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہ سچے لوگ ہیں۔ (۴۹ : ۱۵)

اس آیت میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی انسان اللہ کی نظر میں اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی صداقت کا عملی ثبوت پیش نہ کرے یعنی جس صداقت کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہمہ قسم کے مصائب سے گذر چکا ہو۔ اور کسی حالت میں بھی اس کے قدم نہ ڈگمگائے ہوں۔

یعنی حقیقی معنی میں مومن تو وہ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے دعوے کے بعد کوئی سرکشی اختیار نہ کی ہو۔ بلکہ اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو اور زبانی دعوے کو اپنے عمل سے ثابت کیا ہو تو یہی لوگ سچے ہیں۔

گویا جن کا دعویٰ تو ایمان کا ہو اور عمل اس کے خلاف ہو۔ تو یہ سچے لوگ نہیں ہو سکتے ان کا دعوائے ایمان ایک جھوٹ ہو گا۔

اسی امر کو سورت احزاب میں ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ
صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ
الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ
شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۚ (الاحزاب ۲۲-۲۴)

جب ان مؤمنین نے مختلف لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے اسی چیز کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ اس بات نے ان کے ایمان اور تابعداری میں اور اضافہ کر دیا۔ مؤمنین میں سے کچھ مردوں نے اس وعدے کو سچ کر دکھایا جو انھوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی آرزو پوری کر لی۔ اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔ اور انھوں نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ تاکہ اللہ ان سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے۔ اور منافقین کو سزا دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔ (۳۳: ۲۲-۲۴)

ان آیات میں تمام صحابہ کرامؓ کو صدیق کہا گیا ہے۔ خواہ ہجرت سے قبل اسلام لائے ہوں۔ یا بعد الہجرت۔ خواہ وہ مکہ کے باشندے ہوں یا مدینہ کے قرآن نے یہ کہکر ان دونوں قسم کے افراد میں یہ تفریق نہیں کی کہ فلاں صحابہ تو مؤلفۃ القلوب ہیں ان کے ایمان کا کیا اعتبار۔ کیونکہ ہم پندرھویں صدی کے افراد ہیں۔ ہماری ہر بات قابل قبول ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ علیم بذات الصدور ہے۔ وہ ہر شخص کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ منافقت اختیار کرے گا۔ یا صداقت پر کاربند رہے گا۔ اور جب اس علیم بذات الصدور نے یہ اعلان فرما دیا کہ یہ سب صدیق ہیں۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ تمام تاریخی روایات جن سے صحابہؓ کی یہ عظمت پامال ہوتی ہو اور جن کے ذریعہ صحابہ کے ایمان و تقویٰ کے

خلاف کسی امر کا اظہار کیا گیا ہو۔ وہ سراسر جھوٹی بلکہ سبائی پروپیگنڈے کی خود ساختہ ہیں جن کا مقصد واحد تکذیب قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابۂ کرام سے جو ایمان لائے ایک وعدہ بھی فرمایا۔ اور اس وعدے کو بھی وعد الصدق سے تعبیر کیا۔ ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ (الاحقاف-۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال قبول کرتا اور برائیوں سے درگذر کرتا ہے یہ لوگ جنتی ہیں یہ ایک سچا وعدہ ہے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۴۶ : ۱۶)

نہ صرف یہ بلکہ ان صحابہ کرام کو جنت میں جو مقام ملے گا اس مقام کا نام بھی مقعد صدق ہو گا یعنی سچائی کا مقام۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر-۵۴-۵۵)

یقیناً متقی باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ (۵۴ : ۵۴-۵۵)

بلکہ بعد میں آنے والے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ آخرت میں چار طبقوں میں سے ایک طبقہ کے ساتھ ہوں گے۔ ان طبقات کا حال اللہ تعالیٰ کی زبانی سنیئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء - ۶۹ - ۷۰)

اور جو شخص اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین۔ یہ لوگ رفاقت کے لحاظ سے اچھے لوگ ہیں۔ یہ اللہ کا ایک فضل ہے۔

(۴ : ۶۹ - ۷۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ (الحدید۔ ۱۸۔ ۱۹)

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ (بہ اعتبار ثواب کے) ان کے لئے بڑھا دیا جاوے گا اور ان کے لئے اجر پسندیدہ ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے (جنت میں) ان کا اجر (خاص) اور (صراط پر) ان کا نور (خاص) ہوگا۔ (۵۷: ۱۸۔ ۱۹)

صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا عورت جو بھی اللہ کو قرض حسن دیگا اول تو اس کے مال کو کئی گنا کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ انھیں ایک بہت بڑا اجر بھی دیا جائے گا اور وہ افراد جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے یہ سب صدیقؓ اور شہید ہیں۔ انھیں ان کی صدیقیت کا اجر بھی ملے گا۔ اور نور بھی ملے گا۔

شہید کے یہ معنی کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو وہ شہید ہے پورے قرآن میں یہ معنی کہیں نہیں پائے جاتے کیونکہ یہ معنی مجازی ہیں اور حقیقی معنی ہیں گواہی دینے والا۔ قرآن میں ہر مقام پر شہید اور اس کی جمع شہدا اسی معنی میں مستعمل ہوئی ہے۔ لہذا جتنے صحابہ ہیں سب صدیق ہیں اور سب شہید ہیں اور چونکہ یہ آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں۔ لہذا وہ تمام مومنین اور مومنات اس آیت میں داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے مثلاً حضرت ابوسفیانؓ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان حضرت عکرمہ بن ابی جہل، حضرت عقیلؓ بن ابی طالب، حضرت ہندؓ، حضرت ام ہانیؓ وغیرہم۔ ان تمام حضرات کو مؤلفۃ القلوب قرار دیکر انھیں ایمان سے خارج کرنا قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے ایسا شخص سبائیوں کی تاریخی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وہ خالص رافضیوں کا مقلد ہے۔

ایثار

یہ درحقیقت فیاضی کا سب سے اعلیٰ اور آخری درجہ ہے۔ جس کا مقصد وحید یہ ہے کہ دیگر افراد کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھا جائے۔ اگرچہ خود بھوکا رہے لیکن دوسروں کو کھانا کھلا دے۔ خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

صحابۂ کرام میں انصار کا سب سے بڑا وصف یہی ایثار تھا۔ مکہ کے مہاجر جب بے خانماں ہو کر اور اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ آئے تو انصار نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ انھیں اپنے گھر دیئے، باغ دیئے اور اپنی محنتوں میں برابر کا شریک کیا حتیٰ کہ اپنی بیویوں کو مہاجرین کے لئے طلاق دینے پر بھی آمادہ تھے لیکن مہاجرین اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ان حضرات انصار نے خود طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، لیکن مہاجرین کو ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کی۔ پھر جب بنو نضیر کی زمین مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انصار کے علاوہ بقیہ تمام زمینیں مہاجروں میں تقسیم فرمائیں تو انصار نے برضا و رغبت اس فیصلہ کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ اور ان کی ان الفاظ میں ستائش فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر ۹)

اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں ان مہاجرین کے آنے کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۵۹ : ۹)

جن حضرات نے پہلے سے ایک ٹھکانہ بنا رکھا ہے وہ ان حضرات سے محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آئے ہیں اور فاقوں کے باوجود اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور جو حضرات اپنے نفس کے بخل سے کام نہیں لیتے یہی کامیاب لوگ ہیں۔

یہ آیت پہلی آیت پر عطف ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت میں ان حضرات کا بھی حصہ ہے جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے۔ یعنی اس مال کے حقدار صرف مہاجرین نہیں بلکہ اس مال کے حقدار انصار بھی ہیں۔ کیونکہ انھوں نے مہاجرین کو پناہ دی۔ اور انھوں نے اپنے دل میں کینہ بھی محسوس نہیں کیا۔ بلکہ یہ حضرات اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حتیٰ کہ فاقوں کی حالت میں بھی۔ اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رہے وہ کامیاب لوگ ہیں۔

بحرین جب فتح ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ میں بحرین کو انصار کی جاگیر میں دینا چاہتا ہوں۔ ان ایثار کے پیکروں نے گذارش کی کہ جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا نہ ملے گا جتنا ہمیں دیا جا رہا ہے تو ہمیں یہ زمینیں لینا منظور نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو صبر کرو۔ میرے بعد تمھیں یہ تکلیف پہنچے گی کہ لوگ خود لے لیں گے لیکن تم کو بالکل نہ پوچھیں گے۔

ایک بار ایک صحابیہ نے اپنے ہاتھ سے بُن کر ایک چادر پیش کی۔ آپ نے ضرورت مند ہونے کے باعث اس کا تحفہ قبول فرمایا۔ ایک غریب صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ چادر مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے اسی وقت اتار کر وہ چادر ان کے حوالے کر دی۔ صحابہ کرام نے اس بیچارے کو ملامت کی کہ تم جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ اور آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ تم نے آپ سے یہ چادر کیوں مانگ لی۔ اُن صحابی نے عرض کیا کہ میں نے یہ چادر برکت کے لئے لی ہے تاکہ یہی چادر میرا کفن بنے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۰)

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ان انصار میں سے کسی کے پاس

مہمان آتا اور ان کے پاس بچوں کے کھانے پینے کے علاوہ کوئی شے نہ ہوتی تو انصاری اپنی بیوی سے کہتا کہ بچوں کو سلادو، چراغ بجھا دو اور جو کچھ کھانے کو ہے وہ مہمان کے سامنے رکھ دو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز اس واقعہ کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار ایک بھوکا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی ضرورت کے تحت حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ جو شخص آج کی رات اسے اپنا مہمان بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیگا یہ سعادت ایک انصاری کو حاصل ہوئی اور وہ اُسے اپنے گھر لے گئے۔ اور بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے۔ اس نے جواب دیا صرف بچوں کے لئے ہی کھانا موجود ہے اس پر ان انصاری نے فرمایا بچوں کو سُلادو اور چراغ بجھادو۔ ہم دونوں رات کو بھوکے رہیں گے لیکن ہم اپنے مہمان پر یہ ظاہر کریں گے کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ان میاں بیوی نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو یہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ رات تم دونوں نے اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اللہ کو بہت پسند آیا اور اللہ تعالےٰ تمھارے اس ایثار سے بہت خوش ہوا۔

صحابہ کرام کی ایک دعا اور اس کی مقبولیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ (آل عمران ـ ۱۹۱ـ۱۹۵)

اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے اے ہمارے پروردگار بے شبہ آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں اس کو واقعی رسوا ہی کر دیا اور ایسے بے انصافوں کا کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان لانے کے واسطے اعلان کر رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار پھر ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجئے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور ہم کو قیامت کے روز رسوا نہ کیجئے یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اسی وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو۔ (۳ : ۱۹۱ ـ ۱۹۵)

ان آیات کریمہ میں صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ سے چند درخواستیں کیں۔ اور ان کا جواب زبان وحی کے ذریعہ ملا۔

۱۔ ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ کیونکہ جو شخص بھی آگ میں جائے گا وہ ظالم ہوگا اور رسوا ہو کر رہے گا۔ لہذا اے اللہ ہمیں ظلم سے محفوظ رکھ (گویا ہم اس کے نتیجہ میں آگ کے عذاب سے محفوظ رہیں)۔

۲۔ ہم نے منادی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندائے ایمان دیتے سنا۔ لہذا ہم نے آپ کی اس دعوت کو قبول کیا اور ایمان لائے۔ لہذا اے اللہ آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہماری برائیوں کو مٹا دیجئے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دیجئے۔

۳۔ اے اللہ آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے کہ آپ قیامت کے روز ہمیں رسوانہ کریں گے۔ اور آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

ہم نے اس طویل دعا کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک حصہ کئی حصوں پر مشتمل ہے۔ الغرض یہ ایک طویل دعا ہے جو مؤمنین نے اللہ کے حضور میں کی ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں دیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

(ال عمران - ۱۹۵)

سو ان کے رب نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا۔ کیونکہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم باہم ایک دوسرے کا جزو ہو۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انھوں نے جہاد کیا اور شہید ہوئے ہم ضرور ان لوگوں کی تمام خطاؤں کو معاف کردیں گے اور انھیں ان جنتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اللہ کی جانب سے معاوضہ ہوگا اور اللہ کے پاس اچھا عوض ہے۔ (۳ : ۱۹۵)

ان آیاتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے چند اور امور واضح فرمائے۔

۱۔ ہم نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ہم ان کا کوئی عمل ہرگز ضائع نہ فرمائیں گے۔ خواہ یہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت یعنی صحابی ہو یا صحابیہ۔ ان حضرات کا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا بلکہ ان کا ہر عمل قابلِ قبول ہوگا۔

۲۔ ان تمام صحابہ میں سے وہ حضرات جو ہجرت سے سرفراز ہوئے، میری راہ میں اپنے

گھروں سے نکالے گئے جنھیں میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور جنھوں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتل ہوئے تو ہمارا ان مہاجرین حضرات سے وعدہ ہے کہ ہم ضرور بالضرور اور یقیناً ان کی برائیوں اور لغزشوں کا کفارہ کردیں گے۔ اور ہم انھیں ضرور بالضرور جنتوں میں داخل کریں گے۔ یہ اللہ کی جانب سے ان کا اجر ہوگا۔

یعنی اگر ان مہاجرین صحابہ وصحابیات سے کوئی غلطی بھی سرزد ہوگی تو ہم ان حضرات کی ان قربانیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی غلطیوں کو ضرور معاف فرمائیں گے۔ اور انھیں ضرور جنت میں داخل کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ہجرت کرکے اپنا گھربار چھوڑ کے آئے ہیں۔ خواہ وہ ابوبکرؓ وعمرؓ ہوں یا عثمانؓ وعلیؓ ہوں۔ عمروبن العاصؓ ہوں یا مغیرہؓ بن شعبہ۔ خالدؓ بن الولید ہوں یا امیر معاویہؓ۔ یہ ہمارا ان سب حضرات سے وعدہ ہے۔

اب جو شخص ان حضرات کو فریب کار، دھوکہ باز، چالباز، فاسق وفاجر، راشی، بے ایمان اور منافق قرار دیتا ہے۔ اسے قرآن سے زیادہ ان کہانیوں پر یقین ہے، جو دشمنان قرآن نے ان لوگوں کی مذمت میں پھیلائی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا قرآن پر ایمان ہوگا وہ قرآن کی ان واضح آیات کا کیسے انکار کرسکتا ہے اور ان سبائی روایات کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے۔ ان روایات کو تو وہی شخص قبول کرے گا جس کی نظریں یا تو قرآن بے وقعت ہو یا اس نے قرآن کو ان تفسیری روایات کے ذریعہ سمجھا ہو جو ہمارے مفسرین نے سدی، کلبی، کعب احبار جیسے رافضیوں یا یہودیوں سے نقل کرکے ہمارے سامنے پیش کیا ہو۔ اور اس طرح ہمارا قرآن پر ایمان نہ ہو بلکہ ان رافضیوں پر ہمارا ایمان ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں تاریخ کی ہر بلا سے محفوظ رکھے۔

مؤمن کا اللہ کی آیات پر یقین اور اطمینان

ارشاد الٰہی ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ

فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (الحج - ۵۴)

اور تاکہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان اجزاء اور نور ہدایت سے) اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے وہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جاویں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھلاتا ہے۔ (۲۲ : ۵۴)

مومنین کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ آیت ان کے پروردگار کی جانب سے حق ہے جس کی وجہ سے ان کے دل اور مطمئن ہو جائیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ مومنین کو سیدھے راستہ پر ہدایت کرتا رہتا ہے یعنی یہ ناممکن ہے کہ یہ صحابہ نعوذ باللہ منافقت اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کو علم بھی نہ ہو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو سیدھا راستہ دکھاتا رہتا ہے۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب صحابہ مومن تھے اور چونکہ یہ آیت مدنی ہے۔ لہذا اس ایمان میں انصار بھی شریک تھے۔

اہل فضل کو اہل ضرورت کی لغزشوں کے پیش نظر ان کی مدد سے دست کش نہ ہونے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور - ۲۲)

اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنیوی) وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ یہ معاف کر دیں اور درگذر کر دیں کیا تم یہ بات نہیں

چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف کردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (۲۴ : ۲۲)

یہ آیات حضرت ابوبکرؓ اور مسطحؓ بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ مسطحؓ بن اثاثہ ابوبکرؓ کی خالہ کے لڑکے تھے اور غریب بدری مہاجرین میں سے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ ان کی غربت اور مسکنت کے باعث ان پر مال خرچ کرتے رہتے تھے لیکن جب واقعۂ افک پیش آیا اور مسطح اس میں شریک ہوئے تو ابوبکرؓ نے عہد کیا کہ آئندہ نہ مسطحؓ پر مال خرچ کریں گے۔ اور نہ اسے کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ تمام تفصیل زہری کی روایت میں ہے۔ اور زہری کے علاوہ اس واقعۂ افک کو کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ جس کے باعث یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی خود ساختہ ہو اور اگر یہ بھی ہو تب بھی یہ روایت خبر واحد ہوگی۔ اور وہ بھی مشکوک۔ لہٰذا اس قصہ پر ایمان لانا لازم نہ ہوگا۔

نفس کے کینہ سے بچنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ (التغابن۔ ۱۶-۱۷)

تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو) سنو اور مانو۔ (بالخصوص مواقع حکم میں) اور خرچ بھی کیا کرو یہ تمھارے لئے بہتر ہوگا اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں اور اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دوگے تو وہ اس کو تمھارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان ہے (کہ امر صالح کو قبول فرماتا ہے) اور بڑا بردبار ہے۔ (۶۴ : ۱۶-۱۷)

تم میں جتنی استطاعت ہو اتنا اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو اور خرچ کرو جو تمھاری ذات کے لئے بہتر ہو۔ اور جو لوگ اپنے دل کے کینہ سے بچے رہے وہ کامیاب ہیں۔ اگر تم اللہ کو کوئی قرض حسنہ دو گے ایک تو اللہ تمھیں اسے مضاعف کرکے دے گا اور دوسرے وہ تمھاری مغفرت فرمائے گا۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی۔ بہر صورت ان تمام صحابہ سے مغفرت کا وعدہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی راہ میں قرض حسنہ دے۔ اور اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا رہے۔

قرآن میں جہاں بھی یہ حکم پایا جاتا ہے۔ اس کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہوتے ہیں۔ اور بقیہ امت صحابہ کرامؓ کے طفیل میں اس کی مخاطب بنتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں اللہ تعالےٰ صحابہ کرامؓ کی مغفرت کا وعدہ فرما رہا ہے۔ اس نے یہ بھی وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں قرض حسنہ دو گے تو اللہ اس کا کئی گنا کرکے تمھیں واپس کرے گا اور تمھاری مغفرت بھی فرمائے گا۔

ازواج مطہرات

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (الاحزاب - ۶)

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی۔ (۳۳ : ۶)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں مر جائے کہ اس پر قرضہ ہو تو خلیفۂ وقت یا صدر مملکت پر لازم ہے کہ حضورؐ کی اقتدا میں اس شخص کا قرض ادا کرے کیونکہ حضورؐ نے

اس کے وجوب کی یہ کہکر تصریح فرمائی ہے کہ مجھ پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آپ کی ازواج مطہرات کو امت کی مائیں قرار دیا۔ یعنی ان کی تعظیم و تکریم امت پر ماؤں کی طرح واجب ہے اور جس طرح ماؤں سے نکاح حرام ہوتا ہے اسی طرح ان سے نکاح حرام ہے اور جیسے ماں اپنی اولاد پر مہربان اور شفیق ہوتی ہے اسی طرح ازواج مطہرات اپنی امت پر شفیق ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ چونکہ یہ اصلی ماں نہیں تو امت ان کی میراث کی حقدار نہیں بن سکتی اور جو ان کی اولاد ہے اس کا دیگر انسانوں سے نکاح حلال ہے۔ وہ ان انسانوں کی بہن قرار نہ پائے گی۔

اس آیت میں لفظ مؤمنین سے انصار صحابہ مراد ہیں کیونکہ مہاجرین کا جداگانہ ذکر کر کے ان کی فضیلت بھی ظاہر فرمادی اور یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ ان مہاجرین صحابہ کا مقام عام صحابہ سے بلند و بالا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیٰ بالمؤمنین فرما کر اس امر کی وضاحت بھی فرمادی کہ نبی ایک والی اور امیر ہونے کی حیثیت سے امت کے تمام افراد کے ذمّہ دار ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں مؤمنین کا ان کی جانوں سے زیادہ حقدار ہوں تو جس شخص کی وفات ہوجائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حرمت نکاح اور وجوب تعظیم میں امت کی مائیں ہیں۔ اور جب ازواج امت کی مائیں قرار پائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم از روئے عقل باپ ثابت ہوئے۔ گویا جس طرح امت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے اسی طرح ازواج مطہرات کی تعظیم بھی واجب ہے اور چونکہ ماں اپنی اولاد کے لئے حرام ہوتی ہے اسی طرح ازواج مطہرات تمام انسانوں کے لئے حرام ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ فَيَسْتَحْىٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْىٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب — ۵۳)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو۔ مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جاوے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جاوے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ صاف صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات ہمیشہ کے لئے تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہونچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپؐ کے بعد آپؐ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری (معصیت کی) بات ہے۔ (۳۳ : ۵۳)

اس آیت سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضورؐ کی متعدد ازواج ہیں اور ان کے گھر بھی متعدد ہیں جس طرح گھر خاوند کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اُسے بیت النبی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی وہ ازواج کی جانب بھی منسوب ہوتا ہے اسی لئے ارشاد ہے

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ ۔ (الاحزاب۔ ۳۴)

اور تم ان آیات الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمھارے گھروں میں چرچہ رہتا ہے۔ (۳۳ : ۳۴)

یہ چیز اس امر کا ثبوت ہے کہ ہمیشہ گھر کبھی خاوند کی جانب منسوب ہوتا ہے اور کبھی

بیوی کی جانب۔ اسی لئے اہل بیت بیویوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بیٹی اور نواسوں کے نام سے نہیں۔ اسی طرح حضور کے گھروں کو بیت عائشہؓ، بیت حفصہؓ، بیت ام حبیبہؓ تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے بیت فاطمہؓ، یا بیت حسنؓ و حسینؓ نہیں کہہ سکتے۔ اور ان بیوت النبی میں بغیر اجازت داخلہ ممنوع تھا۔

اس آیت سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ اگر کسی کے گھر کھانے کی دعوت ہو تو کھانا کھاتے ہی واپس ہو جانا چاہیے اور وہاں بیٹھ کر باتیں بنانا از روئے قرآن ممنوع ہے اور خاص طور پر اس گھر میں جہاں عورتیں رہتی ہوں۔ اس لئے نبی کے گھروں میں بیٹھ کر باتیں بنانا ایذا ر نبی کا سبب ہے۔ اور ایذاء نبی حرام ہے۔

ازواج النبی سے اگر کوئی چیز مانگی جائے تو اس کا سوال پس پردہ ہونا چاہیے۔ یہ بھی نبی کی ایذا کا سبب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی ازواج میں سے کسی سے نکاح کیا جائے۔ یہ باتیں اللہ کے نزدیک بہت بری ہیں۔

مفسرین نے متفقہ طور پر اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا تو ان کا ولیمہ بھی کیا اور لوگوں کو بلایا لوگ کھانا کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں باتیں بنانے بیٹھ گئے اور آپ کی زوجہ دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھی رہیں۔

یہ طریقہ کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اب مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں نے جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ لوگ چلے گئے یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔ یہ سن کر آپ اٹھے اور گھر میں داخل ہونا چاہا۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلا اور میں نے بھی اندر داخل ہونا چاہا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس پر حکم پردہ نازل ہوا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس واقعہ سے نصیحت پکڑی اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ۔ الآیۃ
(الاحزاب۔ ۵۳)

اے ایمان والو نبیؐ کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو۔ (۳۳ : ۵۳)

یہ روایت بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ نیز صحیح میں ابن عمرؓ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا میرے پروردگار نے میری تین باتوں میں موافقت فرمائی۔ مقام ابراہیم کے سلسلہ میں، پردے کے معاملہ میں اور بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں۔

یہ وہ روایات ہیں جو پردے کے معاملہ میں صحیح طور پر مروی ہیں۔ اور ان ہر دو روایات کے علاوہ بقیہ روایات اور اقوال سب ضعیف ہیں۔

اس آیت میں بیوت النبی کا لفظ اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ گھر کی نسبت ہمیشہ مرد کی جانب اس لحاظ سے ہوتی ہے کہ خاوند مالک ہوتا ہے۔ اور کبھی گھر کی نسبت عورت کی جانب بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ۔ (الاحزاب - ۳۴)

اور تم ان آیات الٰہیہ کو اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ (۳۳ : ۳۴)

کیونکہ وہ بیویوں کے رہنے کی جگہ ہوتی ہے۔ قرآن نے بیت کی نسبت کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی ہے اور کبھی آپ کی بیویوں کی جانب جس سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ حضورؐ کے گھروں کی مالکہ ازواج مطہرات ہیں۔ خود اس آیت میں بیوت کا لفظ یہ ثابت کر رہا ہے کہ نبی کے متعدد گھر ہیں جس کی وجہ سے لفظ بیوت (جمع) استعمال کیا گیا۔

ایسی صورت میں اہل بیت سے مراد یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے یا آپ کی ازواج ہوں گی۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ایسی صورت میں پہلے بیٹی کو بیوی ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح جائز نہیں اس طرح آپ کی ازواج کو ماں کا مقام دیدیا گیا اور ماں سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور یہ آیت اس امر کی دلیل ہے۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کی ازواج سے نکاح اس لئے جائز نہیں کہ حضورؐ اپنی قبر میں حیات ہیں یہ صرف ایک ذہنی تخیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر وضاحت فرمائی ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب ــ ۶)

اور آپ (نبی) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ (۳۳ : ۶)

جب آپ کی ازواج کو ماں قرار دیدیا گیا تو ماں تو سب کے نزدیک حرام ہوتی ہے اس لحاظ سے اس مسئلہ پر حیات النبی کی بنیاد قائم کرنا غلط ہے۔

یہ جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ بعض صحابہ نے یہ کہا کہ اگر حضورؐ کا انتقال ہوگیا تو میں عائشہؓ سے شادی کروں گا وغیرہ اور اس میں حضرت طلحہؓ کا نام لینا یہ صرف مفسرین کی ذہنی ورزش ہے جن میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ مفسر قرطبی نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔ ہاں کم از کم یہ ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں میں حیات النبی کا یہ چکر نہ تھا ورنہ ایسی روایات وضع کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عطا اور عکرمہ کا بیان ہے کہ بُیُوْتِكُنَّ سے مراد خاص ازواج مطہرات ہیں اور اہلِ بیت بول کر وہ گھر مراد لئے گئے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔

مفسر کلبی رافضی کا قول ہے کہ اہلِ بیت سے مراد علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہیں کلبی رافضی کا یہ قول اس تفسیر میں پایا جاتا ہے جسے آج دنیا تفسیر ابن عباس کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حالانکہ یہ مفسر کلبی کی تفسیر ہے۔ اس کا تفصیلی حال کتاب "مذہبی داستان" میں پیش کیا جاچکا ہے۔

اسی آیت میں اُذْكُرْنَ اور بُیُوْتِكُنَّ میں ضمیر مؤنث ہے جس کی مخاطب صرف ازواج ہوسکتی ہیں۔ اور حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تینوں مرد ہیں۔ اور ماشاءاللہ جب سورۂ احزاب نازل ہوئی اس وقت تک حسنؓ و حسینؓ وجود میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ ہم مذہبی داستان میں یہ ثابت کرچکے ہیں کہ حسن ۸ھ میں اور حسین ۹ھ کی ابتداء میں پیدا ہوئے اور سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ۚ (الاحزاب ۵۲)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں۔ اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز (کی حقیقت اور آثار و مصالح) کا پورا نگراں ہے۔ (۳۳ : ۵۲)

اے نبی آپ کے لئے ان ازواج مطہرات میں سے کسی کو تبدیل کرنا یا ان کے بعد آپ کے لئے کوئی اور عورت حلال نہیں۔ خواہ وہ آپ کو کتنی ہی حسین معلوم ہو آپ کے لئے ان ازواج کو تبدیل کرنا یا اور نکاح کرنا حلال نہیں ہاں ملک یمین کی آپ کو اجازت ہے۔

گویا اس آیت کی رو سے ان ازواج مطہرات کو تبدیل کرنا یا مزید کوئی اور نکاح کرنا نبی کے لئے حلال نہیں رہا۔ اس طرح ان ازواج مطہرات کی فضیلت ظاہر ہوئی کہ آپ اُن کے بعد کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرسکتے۔ اور نہ انھیں تبدیل کرسکتے ہیں یعنی جو اختیار آپ کو دیا گیا تھا وہ اختیار اب ان ازواج مطہرات کے باعث سلب کرلیا گیا۔

یہ ازواج مطہرات حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام	سابقہ حیثیت	رسول اللہؐ سے نکاح	نکاح کے وقت عمر	رسول اللہؐ کا سن	سن وفات	رسول اللہؐ کے ساتھ رفاقت کی مدت
۱	حضرت خدیجہؓ بنت خویلدؓ	بیوہ	نبوت سے ۱۵ سال قبل	۲۸	۲۵	ہجرت سے ۳ سال قبل	تقریباً ۲۵ سال
۲	سودہ رضؓ بنت زمعہ	بیوہ	ہجرت سے ۳ سال قبل	تقریباً ۵۰	تقریباً ۵۰	سنہ ۲۲ھ	۱۳ سال تقریباً
۳	حضرت عائشہ رضؓ بنت ابی بکر رضؓ	ناکتخدا	سنہ ۱ھ یا سنہ ۲ھ	۱۷ یا ۱۸	۵۴	سنہ ۵۷ھ	۹ سال
۴	حفصہ رضؓ	بیوہ	سنہ ۳ھ	۲۲	۵۵	سنہ ۴۱/۴۵ھ	۸ سال
۵	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ	بیوہ	اوائل سنہ ۴ھ	تقریباً ۳۰ سال	۵۶	سنہ ۴ھ	۳ ماہ
۶	حضرت ام سلمہ رضؓ	بیوہ	سنہ ۴ھ	۳۰ سے متجاوز	۵۶	سنہ ۵۹/۶۲ھ	۷ سال
۷	زینبؓ (صغریٰ)	مطلقہ	سنہ ۵ھ	۳۵ سے متجاوز	۵۷	سنہ ۲۰ھ	۶ سال
۸	جویریہ رضؓ	بیوہ (غالباً)	سنہ ۵ھ	۲۰	۵۷	سنہ ۵۰ھ	۶ سال

۹	ام حبیبہؓ (رملہ)	خاوند کے عیسائی ہونے پر علیحدگی	۶/۷ھ	۳۶	۵۸/۵۹	سنہ ۴۴ھ	چار سال سے زائد
۱۰	صفیہؓ	بیوہ	اوائل ۷ھ	۲۰ سے کم	۵۹	سنہ ۵۰ھ	۴ سال سے کم
۱۱	میمونہؓ	بیوہ	اواخر ۷ھ	۳۰ سے متجاوز	۵۹	سنہ ۵۱ھ	۴ سال سے کم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ■ (الاحزاب - ۵۹)

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہدیجئے کہ (سر سے) نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۳۳ : ۵۹)

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی متعدد ازواج تھیں وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی متعدد بیٹیاں بھی تھیں کیونکہ لفظ بنات استعمال کیا گیا ہے جو جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور عربی زبان میں جمع کا صیغہ کم از کم تین پر بولا جاتا ہے۔ لہذا تین بیٹیاں ماننا تو ضروری ہوا۔ اور ان پر ایمان لانا بھی فرض ہوا۔ اور یہ اس صورت میں ہو گا کہ جب جمع کے کم از کم معنی پر غور کیا جائے۔ لیکن جب ازواج بول کر جو زوجہ کی جمع ہے نو بیویاں مراد لے سکتے ہیں تو بنات بول کر چار تو خود بخود ثابت ہو جاتی ہیں۔

قتادہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب موت واقع ہوئی تو آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے پانچ قریش سے تھیں۔ عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ، اور ام سلمہ۔ تین بقیہ عرب خاندانوں سے تھیں۔ میمونہ، زینب بنت جحش اور جویریہ اور ایک حضرت ہارون کی اولاد سے تھیں حضرت صفیہ۔

آپ کی اولاد نرینہ میں سب سے پہلے قاسم ہیں۔ انہی کے نام سے آپ کی کنیت

ابوالقاسم تھی۔ ان کی والدہ حضرت خدیجہ ہیں۔ آپ کی اولاد میں سے سب سے اول انہی کا انتقال ہوا۔ یہ دو سال حیات رہے۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ سے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ قاسم، طیب، طاہر اور عبداللہ۔

ابو بکر البرقی کا کہنا ہے کہ طیب ہی کو طاہر کہتے ہیں اور انھیں کو عبداللہ کہا جاتا ہے۔

آپ کے ایک صاحبزادے کا نام ابراہیم ہے ان کی والدہ ماریہ قبطیہ ہیں۔ یہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سولہ ماہ کی عمر میں انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔ یہ دارقطنی کا بیان ہے۔

آپ کی تمام اولاد بجز ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی اور فاطمہؓ کے علاوہ سب اولاد نے حضور کے سامنے وفات پائی۔

صاحبزادیوں میں سے ایک لڑکی فاطمہؓ بنت خدیجہ ہیں۔ یہ اس وقت پیدا ہوئیں جب قریش کعبہ تعمیر کر رہے تھے یعنی نبوت سے پانچ سال قبل یہ آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ رمضان ۲ھ میں ان کا حضرت علیؓ سے نکاح ہوا اور ذی الحجہ کے مہینہ میں رخصت عمل میں آئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ دن بعد انتقال فرمایا۔

دوسری صاحبزادی زینبؓ ہیں۔ ان کی والدہ بھی خدیجہ ہیں۔ ان کا نکاح ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ ابوالعاصؓ کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھیں جو حضرت خدیجہ کی بہن تھیں۔

ابوالعاصؓ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کا اسم گرامی لقیط ہے۔ بعض ہاشم بیان کرتے ہیں۔ بعض ہشیم اور بعض مقسم۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی ہیں۔ ۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبر میں اتارا۔

آپ کی ایک صاحبزادی رقیہؓ ہیں ان کی والدہ بھی خدیجہ ہیں ان کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے قبل از نبوت ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ پر تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا میرا سر

تیرے سر سے حرام ہے اگر تو محمد کی بیٹی کو طلاق نہ دے۔ عتبہ نے انھیں اپنے سے جدا کر دیا اور ان کی رخصتی عمل میں نہ آئی تھی۔ یہ اس وقت اسلام لائیں جب ان کی والدہ خدیجہؓ اسلام لائی تھیں۔ انھوں نے اور ان کی بہنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ عتبہ سے طلاق کے بعد ان سے عثمانؓ نے نکاح کیا۔ جب ان کا عثمانؓ سے نکاح ہوا تو قریش کی عورتیں کہا کرتی تھیں۔

انسان نے جو سب سے بہتر دو شخص دیکھے ہیں وہ رقیہ اور ان کے خاوند عثمانؓ ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ انھوں نے حبشہ کی جانب دو ہجرتیں فرمائیں۔ ان سے عثمانؓ کا ایک بچہ ضائع ہوا۔ پھر عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ انھیں سے عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ ہوئی۔ جب اس بچہ کی عمر چھ سال ہوئی تو مرغ نے ان کے چہرہ پر چونچ ماردی اس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ لیکن مسعودی کا کہنا ہے یہ چونچ پرندے نے اس وقت ماری تھی جب ان کی عمر چھیاسٹھ سال ہوئی اور اسی سے ان کا انتقال ہوا۔ انہی عبداللہ بن عثمان کی نسل سے مکہ میں ایک محلہ آباد ہے اور ایک محلہ قرطبہ میں آباد ہے۔

جب حضورؐ بدر کی تیاری کر رہے تھے تو رقیہؓ بیمار ہوگئیں اور حضورؐ نے عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے چھوڑا۔ جب زید بن حارثہ بدر کی کامیابی کی خبر لیکر مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگ رقیہؓ کی قبر برابر کر رہے تھے۔ ان کے جنازے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ ہو سکے۔

آپ کی ایک صاحبزادی ام کلثومؓ ہیں۔ ان کا نکاح ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا (جو عتبہ کا بھائی تھا) باپ کے مجبور کرنے سے اس نے بھی ام کلثومؓ کو طلاق دیدی اور اس وقت تک ام کلثومؓ کی رخصت عمل میں نہ آئی تھی۔

یہ مکہ میں حضورؐ کے ساتھ مقیم رہیں اور اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اسلام لائیں اور اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور جب حضورؐ نے ہجرت کی تو انھوں نے ساتھ میں ہجرت کی۔ جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے فرمادیا۔ اسی باعث حضرت عثمان کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (۹ھ میں) ان کا انتقال ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اُترے اور ان کا جنازہ اتارنے کے لئے حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ اور حضرت اسامہؓ قبر میں اترے۔ (قرطبی جلد ۶ ص ۳۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ (الاحزاب۔ ۳۲)

اے نبی کی بیویوں تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ بہ ضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو (اس سے) ایسے شخص کو (طبعاً خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔ (۳۳ : ۳۲)

یعنی روئے زمین کی کوئی عورت فضل و شرف میں نبی کی ازواج کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ خواہ وہ آسیہ امراۃ فرعون ہو یا مریم بنت عمران، یا فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خواہ روایات کے پردے میں انھیں کوئی بھی مقام دیا جائے۔ ہمارے نزدیک ہر وہ روایت باطل ہے جو خلاف قرآن ہو)۔

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ازواج تقویٰ اختیار کریں۔ اور عام لوگوں سے چاپلوسی کی باتیں نہ کریں۔ تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض نفاق ہے ان کے دل میں کوئی بُری خواہش نہ پیدا ہو۔ اور یہ ازواج امر بالمعروف کرتی رہیں۔

امر بالمعروف سے مراد وہ اقوال ہیں جن کا شریعت اور انسانی نفوس انکار نہ کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۱)

اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور

نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا دہرا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ (۳۳ : ۳۱)

اس آیت میں یہ قانون متعین کیا گیا ہے کہ ہر زوجۂ مطہرہ کو ہر عمل پر دوگنا اجر ملتا ہے مثلاً حضرت عائشہؓ کو حضرت فاطمہؓ کے مقابلے میں دہرا اجر ملے گا۔ اور یہ معاملہ اس وقت تک ہوگا جب تک فاطمہؓ حیات رہیں اور فاطمہؓ کی وفات کے بعد عائشہؓ نے جو جو اعمال انجام دئے ہیں انھیں اس کا دگنا اجر علیحدہ رہا۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال حضورؐ کے چھ ماہ بعد ہوگیا تھا جبکہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کا انتقال حضورؐ کے سینتالیس سال بعد ہوا۔ تقریباً یہی معاملہ حضرت حفصہ کے ساتھ پیش آئیگا اور حضرت ام سلمہؓ تو آپ دونوں ازواج مطہرات کے بعد تک حیات رہیں اور یہ مسئلہ ازروئے قرآن ہے اور ازروئے روایت تو جو روایت چاہیں تیار کرلیں اور پھر اس پر ایمان لے آئیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر عمل کے دوہرے اجر کے علاوہ بھی ان ازواج مطہرات کے لئے آخرت میں پاکیزہ رزق بھی تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۝ (الاحزاب ۳۳)

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور اللہ تعالےٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً اور باطناً) پاک وصاف رکھے۔ (۳۳ : ۳۳)

اس آیت میں ازواج مطہرات پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لازم پکڑیں۔ اور زمانہ جاہلیت کی طرح بازاروں میں اتراتی نہ پھریں۔ ابن العربی کا قول ہے کہ از قصیوں نے

اس آیت کے باعث ام المؤمنین پر اعتراض کیا ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلیں لشکروں کی قیادت کی اور جنگوں میں شامل ہوئیں اور وہ امور انجام دیئے جن کا انھیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ اور نہ یہ امور ان کے لئے جائز تھے۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ ابن العربی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قتل عثمانؓ سے قبل حج کی نذر مانی تھی لہذا بغیر حج کئے وہ اپنی نذر پوری نہ کرسکتی تھیں۔ اگر وہ تمام فتنوں میں بھی شریک ہوتیں تو بھی یہ ان کے لئے درست ہوتا۔

رہی جنگ جمل تو ام المؤمنین جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلی تھیں لیکن لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور جو فتنے واقع ہو چکے تھے اُن سے ان فتنوں کی شکایت کی۔ پس وہ لوگوں کی اصلاح کی غرض سے مکہ سے چلیں۔ لیکن شیعوں کی سازش سے جنگ شروع ہو گئی۔

زجاج کا قول ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن لوگوں نے اہل بیت سے مراد علیؓ اور فاطمہؓ لئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اس جگہ سے قرآن میں سے ڈھائی پارے غائب کردیئے ہیں۔ عیاذاً باللہ۔

شیعوں کا عقیدہ یہی ہے اور اتفاق سے ہمارے اہل سنت بھی شیعوں کی اس رو میں بہ گئے ہیں دراصل یہ آیت جس کا تعلق اہلِ بیت سے ہے یہ پوری آیت نہیں بلکہ سابقہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور سابقہ آیت کا تعلق ازواج مطہرات سے ہے نہ کہ آل علیؓ سے۔

پھر یہ آیت ۵ھ میں نازل ہوا اور ہم "مذہبی داستان" حصہ اول میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت حسنؓ ۳ھ میں اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے اولاد علیؓ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں اہل بیت کی روایات بیان کرنا حماقت ہے جیسا کہ ہمارے بیشتر مفسرین نے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ

يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۰-۳۱)

اے نبی کی بیویو جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی اس کو دہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ (۳۳: ۳۰-۳۱)

مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ علماءؒ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو اللہ عزوجل نے ازواج مطہرات کی عزت کے لئے یہ حکم صادر فرمایا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ ۔ (الآیۃ ۔ الاحزاب ۵۲)

اس کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں۔ (۳۳ : ۵۲)

اور ازواج مطہرات کو دیگر تمام دنیا کی عورتوں سے یہ کہکر ممتاز کر دیا۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ (الاحزاب ۵۳)

اور تم کو جائز نہیں کہ رسولؐ اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ (۳۳ : ۵۳)

ازواج مطہرات کا ثواب واجر تمام ملت سے دوگنا فرمایا اور ان سے حضورؐ کے بعد نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کیا۔ اگر ازواج مطہرات سے غلطی ہوگی تو اس کی سزا بھی دُگنی ہوگی۔

ابو رافع کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں اکثر سورۂ یوسف اور سورۂ احزاب پڑھتے اور جب يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ پر پہونچتے تو اپنی آواز بلند کرتے۔

کسی نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں ازواج مطہرات کو ان کا عہد یاد دلاتا ہوں۔

کہ جو بھی زوجہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعدار رہے گی اور نیک عمل کرتی رہے گی تو اسے اس کے ہر عمل کا دگنا اجر ملے گا اور اللہ نے ان کے لیے پاکیزہ رزق متعین کیا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ ضعیف سے کیا مراد ہے اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک اس کے معنی دگنے کے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ عربی میں ضعف الشئی سے مراد دگنے سے زیادہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر تین گنا بھی ہو تو اسے ضعف الشئی بولتے ہیں۔

ابن عبدالبر کا قول ہے کہ جب اصل شئے پر دگنی شئے کا اضافہ ہو تو اسے عربی میں ضعف بولتے ہیں۔ اس طرح یہ اجر تگنا ہو گیا۔ اگرچہ طبری (رافضی) نے اس کا رد کیا ہے لیکن دگنا اس نے بھی تسلیم کیا۔ حالانکہ عربی زبان میں ضعف کم از کم دگنے پر بولا جاتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا۔ سبا ۳۷)

سو ایسے لوگوں کے لئے نیک عمل کا دونا صلہ ہے۔ (۳۴ : ۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الاحزاب ۲۹)

اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسولؐ کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالےٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ (۳۳ : ۲۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا کہ تم چاہو تو تمھیں نبوت کے ساتھ بادشاہ بنا دیا جائے یا مسکین بنا دیا جائے۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کو مسکنت اختیار کرنے کا مشورہ دیا جسے آپ نے اختیار کر لیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ منزل کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو ازواج اختیار کرنے کا حکم دیا انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری و مسلم نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ ابو بکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر کے اندر آنے کی اجازت طلب کی جو انھیں مل گئی۔ جبکہ اور صحابہ اس وقت دروازے پر بیٹھے تھے۔ اور اس وقت ان میں سے کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ اتنے میں عمرؓ آگئے۔ انھوں نے بھی اجازت طلب کی اور انھیں بھی اجازت مل گئی۔ جب عمرؓ اندر داخل ہوئے تو آپؐ کے ارد گرد ازواج سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے مجلس کا رنگ دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ میں آج ایسی بات کروں گا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آجائے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کاش آپ خارجہ کی بیٹی کو دیکھتے وہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی تھی۔ میں نے کھڑے ہو کر اس کی گردن دبائی۔

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے اور فرمایا میرے ارد گرد ازواج بیٹھی ہیں جو مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔ اس پر ابو بکرؓ عائشہؓ کا گلا دبانے لگے اور عمرؓ حفصہؓ کا۔ اور یہ دونوں کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ علیہ وسلم سے اس شئے کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں ہے۔

اس پر تمام ازواج مطہرات نے جواب دیا۔ ہم اللہ کی قسم آئندہ حضورؐ سے اس چیز کا سوال نہ کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج سے ایک ماہ یا انتیس دن کی جدائی اختیار فرمائی۔ اس پر یہ آیات قُل لِّاَزۡوَاجِكَ سے اَجۡرًا عَظِيۡمًا تک نازل ہوئیں۔ (احزاب ۲۸ - ۲۹)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ سے اس کی ابتداء فرمائی اور فرمایا اے عائشہؓ میں تیرے سامنے ایک ایسی بات پیش کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو جلدی جواب نہ دے بلکہ پہلے اپنے والدین سے بھی مشورہ کرلے۔ پھر آپ نے ان کے روبرو یہ آیات تلاوت کیں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا یارسولؐ اللہ کیا اس معاملہ میں میں والدین سے مشورہ کروں؟۔ میں اللہ اس کے رسول اور

دار آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی اور زوجہ کے رو برو نہ کہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے نہ سرکش بنایا ہے اور نہ سرکشی اختیار کرنے والا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔

قرطبی کا بیان ہے کہ ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا اختیار دیا گیا تو آپ نے مجھ سے ابتداء فرمائی اور فرمایا اے عائشہؓ میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں تو فوری جواب نہ دینا بلکہ اپنے ماں باپ سے بھی مشورہ کر لینا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ بھی اس امر کو خوب جانتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ کو چھوڑنے کا حکم نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ میں نے عرض کیا کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں نے کہا میں نے اللہ اس کے رسولؐ اور آخرت کو اختیار کیا۔ اور تمام ازواج نے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کیا۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الاحزاب ۵۰)

اے نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیویاں کہ جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں

حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو تمھاری مملوکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دلوادی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لیے۔ ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کیے ہیں تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی (واقع) نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (۳۳ : ۵۰)

ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اس وقت تک واقع نہیں ہوئی جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کل عورتیں حلال نہ کردیں۔ ترمذی کا بیان ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (قرطبی ج ۶ ص ۵۲۸۹)

گویا آپ کے لیے آپ کی قرابت دار تمام عورتیں حلال کی گئیں لیکن ان کے لیے شرط یہ ہے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ اس طرح آپ پر وہ تمام عورتیں حرام ہوگئیں جنھوں نے ہجرت نہ کی ہو خواہ وہ اہل خاندان سے تعلق رکھتی ہوں یا غیر اہل خاندان سے۔

اس سلسلہ میں ام ہانی کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا لیکن میں نے عذر کردیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یہ روایت ترمذی نے سدی اور ابو صالح کے واسطے سے نقل کی ہے۔ اور ترمذی کا بیان ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور ہمیں اس سند کے علاوہ اس کی کوئی اور سند معلوم نہیں ابن العربی کا بیان ہے کہ یہ روایت انتہا سے زیادہ ضعیف ہے اور یہ روایت کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔ جسے بطور حجت پیش کیا جاسکے۔ (کیونکہ ابو صالح ناقابل اعتبار اور سدی مشہور رافضی اور کذاب ہے۔)

اتفاق سے سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی اور ام ہانیؓ ۸ھ میں فتح مکہ کے

بعد ایمان لائیں۔ ایسی صورت میں نبی کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ آپ کسی غیر مہاجرہ کو نکاح کا پیغام دیں اور وہ عورت انکار کر دے۔ دراصل یہ ایک سبائی جھوٹ ہے جو اس لئے تیار کیا گیا ہے کہ آپ نے جوانی میں ابو طالب کو ام ہانیؓ کے لئے پیغام دیا تھا جو ان کے باپ نے یہ کہکر رد کر دیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کسی نادار کو نہیں دے سکتا۔ یہ قصہ اسی واقعہ کی ملمع سازی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگا کر کہ اس عورت نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ بنو ہاشم کی ہر عورت کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کر دیا کہ خاندان بنی ہاشم اس کا اہل نہیں کہ وہ زوجیت رسولؐ میں آسکے۔ اور کوئی ہاشمی عورت امت کی ماں قرار پائے۔ قرآن کی رو سے اس فخر کے تمام دروازے بند کر دئے گئے بلکہ جب ہم کسی سید کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یا تو یہ کسی متعہ کی اولاد ہے ورنہ پھر کسی باندی کی اولاد ہے۔ کیونکہ عام طور پر اثنا عشریہ کے اکثر امام باندیوں کی اولاد ہیں۔

ام ہانیؓ کی یہ کہانی سدی رافضی نے تیار کی اور اس طرح انھوں نے اپنے دل کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ اصل حقیقت سے وہ بھی باخبر ہیں۔ نبی کی زوجیت میں آنے کے لئے شرط یہ لگائی گئی کہ وہ مہاجرہ ہو۔ اس لحاظ سے بنوامیہ کو بنو ہاشم پر فخر حاصل ہے کہ بنوامیہ خاندان کی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ حضور کی زوجیت میں آئیں اور امت کی ماں قرار پائیں۔ یہ ام حبیبہ ابوسفیانؓ کی صاحبزادی امیر معاویہؓ کی سگی بہن اور یزید بن معاویہ کی پھوپی ہیں۔ اس لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امیر معاویہؓ کے بہنوئی اور یزید بن معاویہ کے پھوپا ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ سبائی خواہ اپنا کتنا بھی سر پیٹیں اس سے انحراف ممکن نہیں۔

علماء کا دعویٰ ہے کہ آپ کے نکاح میں آنے کی شرط یہ ہے کہ اس عورت نے مدینہ کی جانب ہجرت کی ہو۔ اور ہجرت فتح مکہ پر ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن

شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا ۔ (الانفال ۷۲)

جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ (۸ : ۷۲)

گویا جس نے ہجرت نہیں کی اس نے درجۂ کمال حاصل نہیں کیا اور جسے درجۂ کمال حاصل نہ ہو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق نہیں۔ بالفاظ دیگر کوئی ہاشمی عورت اس لائق نہیں کہ وہ آپ کی زوجیت میں آسکے۔

اگر کوئی مومنہ عورت اپنے آپ کو ہبہ کرے۔ اس میں لفظ مومنہ کی شرط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ آپ کے لئے کوئی کافرہ عورت حلال نہیں۔

علماء کا بیان ہے کہ آپ پر نو چیزیں فرض کی گئی ہیں۔

۱۔ رات کا تہجد جسے قیام لیل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے آپ پر واجب تھا۔ بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔

۲۔ چاشت کی نماز۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

۳۔ قربانی۔

۴۔ وتر۔ اگرچہ وتر تہجد میں داخل ہے۔

۵۔ مسواک۔

۶۔ جو شخص تنگی کی حالت میں مر جائے اس کا قرضہ ادا کرنا۔

۷۔ غیر شرعی معاملات میں عقلاء سے مشورہ کرنا۔

۸۔ عورتوں کو پسند کرنا۔

۹۔ جب کوئی عمل کریں تو اس پر مداومت کرنا۔

آپؐ پر دس چیزیں حرام کی گئیں۔

۱۔ آپ اور آپ کے اقرباء پر زکوٰۃ حرام کی گئی ہے۔

۲۔ آپ اور آپ کی آل پر صدقہ حرام کیا گیا۔

۳۔ آنکھیں مارنا یعنی نگاہ سے کسی شئے کے کرنے یا نہ کرنے کا اشارہ کرنا یہ نبی کیلئے

حرام ہے۔ بلکہ حدیث کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہر شخص کے لئے حرام ہے۔
۴۔ جب نبی ہتھیار زیب تن کر لے تو بغیر جنگ کئے انھیں اتارنا حلال نہیں۔
۵۔ ٹیک لگا کر کھانا کھانا۔
۶۔ ان اشیاء کا کھانا جن میں سے بو آتی ہو (یہ غور طلب ہے)
۷۔ اپنی ازواج کو تبدیل کرنا۔
۸۔ اس عورت سے نکاح کرنا جسے آپ ناپسند کرتے ہوں۔
۹۔ کسی کتابیہ آزاد عورت سے نکاح کرنا۔
۱۰۔ باندی سے نکاح کرنا (غور طلب ہے)

بعض چیزیں ایسی ہیں جو اوروں کے لئے حلال کی ہیں لیکن نبی پر حرام کر دی گئیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے ممتاز رہیں۔

۱۔ اللہ نے آپ پر لکھنا اور اشعار یاد رکھنا حرام کر دیا۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اپنا معجزہ ثابت کر سکیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ (عنکبوت۔ ۴۸) (...)

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ (۲۹ : ۴۸)

۲۔ اللہ تعالےٰ نے اور لوگوں کو جو فائدے کی چیزیں دی ہیں نبی کے لئے ان کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی حرام کر دیا گیا۔

آپ کے لئے متعدد چیزیں حلال کی گئیں۔

۱۔ مال غنیمت میں سے مخصوص حصہ جسے صفی کہا جاتا ہے آپ کے لئے حلال کیا گیا۔
۲۔ آپ کے لئے مال خمس کا حصول حلال کیا گیا۔
۳۔ صوم وصال یعنی بغیر افطار کئے لگاتار روزے۔
۴۔ چار عورتوں سے زیادہ نکاح۔
۵۔ لفظ ہبہ سے نکاح۔

۶۔ بغیر کسی ولی کے نکاح۔

۷۔ بغیر مہر کے نکاح۔

۸۔ ازواج میں برابری کی تقسیم۔

۹۔ باندی کو آزاد کرنا اور پھر اس کی آزادی کو مہر متعین کرنا۔

۱۰۔ مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا۔

۱۱۔ مکہ میں قتال کرنا۔

۱۲۔ نبی کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ آپ کی وفات کے بعد آپؐ کی زوجیت کا اثر باقی رہنا۔

۱۴۔ اگر آپ کسی عورت کو طلاق دیں تب بھی وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ کیلئے حرام ہو گی۔

یہ تمام تفصیل مفسر قرطبی نے پیش کی ہے۔ اگرچہ اس کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ہم نے مفسر قرطبی کی مطابقت میں اسے نقل کر دیا ہے۔

خولہ بنت ثعلبہ کا شکوہ

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ ۖ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (المجادلہ۔۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اللہ سے فریاد کئے جاتی تھی اللہ تعالیٰ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (۵۸ : ۱)

اس شکایت کرنے والی عورت کے نام میں اختلاف ہے۔ علماءِ مفسرین کا کہنا ہے اس کا نام خولہؓ بنت ثعلبہ ہے۔ ان کے خاوند اوسؓ بن صامت ہیں جو عبادہؓ بن الصامت کے بھائی ہیں۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ ایک جدال کرنے والی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آئی

اور میں گھر کے ایک کونے میں بیٹھی سن رہی تھی تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں خولہ بنت ثعلبہ کی بات سن رہی تھی، جو اپنے خاوند کی شکایت لے کر حضورؐ کے پاس آئی تھی۔ اور کہہ رہی تھی یا رسول اللہ اس نے میری جوانی کھالی، اس کے باعث میرا پیٹ پھول گیا۔ حتیٰ کہ میری اب عمر بھی زیادہ ہوگئی۔ اور میری اولاد کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ اے اللہ میں تجھ سے شکایت کرسکتی ہوں۔ ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

دار قطنی نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ اوس بن الصامت نے اپنی زوجہ خویلہؓ بنت ثعلبہ سے ظہار کیا انھوں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور عرض کیا کہ جب میری عمر زیادہ ہوگئی اور میری ہڈیاں نرم پڑگئیں تو میرے خاوند نے مجھ سے ظہار کیا تو اللہ تعالےٰ نے آیت ظہار نازل فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسؓ سے فرمایا غلام آزاد کرو۔ انھوں نے عرض کیا میرے پاس ایسا کوئی مال نہیں جو فدیہ میں دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھو۔ انھوں نے عرض کیا میں ہر روز رمضان میں تین تین بار خطا کرتا ہوں میری نگاہ کمزور ہوگئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ انھوں نے عرض کیا میرے پاس کوئی مال نہیں جو فدیہ میں دیا جائے۔ ہاں اگر آپ میری معاونت فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پندرہ صاع سے مدد فرمائی۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے لئے مال جمع کردیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ ان کے پاس بھی تھا۔ اس طرح اللہ نے ان کے لئے مال جمع فرمادیا۔

اس سلسلہ میں اور بھی متعدد روایات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وقوعہ اوسؓ بن صامت کی زوجہ کے ساتھ پیش آیا تھا جن کے باعث قرآن میں ظہار کا حکم نازل ہوا۔

اس آیت سے خویلہ بنت ثعلبہ کی فضیلت ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف پسند نہ آئی۔

احکام جمعہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعہ ۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔ (۶۲ : ۹)

اس میں اختلاف ہے کہ اس دن کا نام جمعہ کس نے رکھا۔ ابوسلمہ کا بیان ہے کہ پہلے جمعہ کے دن کو عروبہ بولا جاتا تھا اور سب سے اول اس کا نام جمعہ کعب بن لوی نے رکھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس دن کا نام جمعہ انصار نے رکھا اس لئے اسے جمعۃ الاسلام بولتے تھے۔

محمد بن سیرین کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور اس وقت تک جمعہ فرض نہیں ہوا تھا۔ اور اس کا نام جمعہ انصار نے رکھا تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہود کا ایک متعینہ دن تھا جس میں وہ جمع ہوتے۔ اس روز کا نام سبت تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن معین تھا اور یہ یوم الاحد کا دن تھا۔ مسلمانوں نے سوچا کہ ہم بھی کسی روز جمع ہوں اور اللہ کا ذکر کریں۔ یہ سوچ کر وہ سب اسعدؓ بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے۔ اسعدؓ بن زرارہ کو ابو امامہؓ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے ان سب کو دو رکعتیں پڑھائیں اور انھیں نصیحت کی۔ اس روز سے انھوں نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھدیا۔ اسعدؓ بن زرارہ نے ایک بکری ذبح کی اور اسے صبح و شام کھایا۔ کیونکہ اس وقت غذا کی قلت تھی۔ اور یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔

اہل سیر اور مورخین کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائے اور بنو عمرو بن عوف میں قیام فرمایا یہ دوشنبہ کا دن اور بارہ ربیع الاول تھی

اور آپ کا یہ قیام چاشت کے وقت ہوا۔ اور اسی سے تاریخ جاری ہوئی۔ پھر آپ جمعرات کے روز قبا تشریف لائے اور اہل قبا کے لئے مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر آپ جمعہ کے روز مدینہ چلے اور جمعہ کا وقت بنو سالم بن عوف کی ایک وادی میں ہوا۔ بعد میں لوگوں نے اس جگہ کو مسجد بنالیا۔ آپ نے وہاں لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا۔ اور یہ آپ کا سب سے پہلا خطبہ تھا جو مدینہ میں دیا گیا۔

اس جمعہ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا جو بھرپور ایک گاؤں تھا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک ہی اذان ہوتی تھی آپ منبر پر بیٹھتے تھے اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوتا رہا پھر عثمانؓ نے مدینہ کے ایک بازار میں ایک مکان پر تیسری اذان کا اضافہ کیا۔ لوگ اس اذان کو سنکر جمعہ کے لئے جمع ہوتے پھر جب عثمانؓ منبر پر بیٹھتے تو اذان ہوتی۔

گویا وہ پہلی اذان جو آج دی جاتی ہے یہ صرف اس کا اعلان ہوتی ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور یہ مسجد سے باہر ایک بازار میں لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے ہوتی۔ اس کا مسجد سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ہمارے زمانہ میں جو پہلی اذان مسجد میں دی جاتی ہے اور جسے جمعہ کی اذان سمجھا جاتا ہے اور اسے اذان عثمانؓ پر قیاس کیا جاتا ہے تو پھر اذان عثمانؓ کا تقاضا یہ تھا کہ اسے مسجد سے باہر بازار میں کسی بلند مقام پر دی جاتی پھر تو عثمانؓ کی تقلید ہوتی ورنہ حضرت عثمانؓ کا نام تو صرف ایک نفس کا دھوکہ ہے۔

ہمارے زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر عام ہیں اور مؤذنین مساجد کی آوازوں سے محلہ گونجتا رہتا ہے اس لحاظ سے اس اذان کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر اسے سنت عثمانؓ قرار دے کر باقی رکھنا ضروری ہے تو اس کا انتظام بازار میں کسی مکان پر ہونا چاہئے۔ مسجد سے اس کا کیا تعلق ہے۔

اس پر پہلے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جمعہ زوال کے ذرا بعد ادا کیا جائے بلکہ امام احمد تو یہاں تک قائل ہیں کہ جمعہ زوال سے قبل بھی ادا کیا جا سکتا ہے لیکن تمام

جمہور علمار اس پر متفق ہیں کہ زوال کے فوراً بعد جمعہ کی نماز پڑھی جائے۔ بالکل زوال کے قریب۔ اکثر علمار کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد خطبۂ جمعہ ہے۔ اور تمام علمار کے نزدیک خطبہ میں حاضر ہونا واجب ہے۔ بلکہ بعض علمار کہتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ دو رکعتوں کی جگہ ہے گویا جس نے خطبہ عمداً ترک کیا وہ دو رکعت نماز ترک کر رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (الجمعہ - ۱۰)

پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور (اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔ (۶۲ : ۱۰)

اس آیت میں صحابۂ کرام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ یعنی روزی کا سامان بہم پہنچاؤ۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جمعہ کے دن خاص طور پر بعد الجمعہ چھٹی منانا اور روزی کا سامان بہم نہ پہنچانا قرآن کی صریح مخالفت ہے لوگوں نے جو جمعہ کے روز چھٹی منانے کا دستور نکالا ہے یہ خلاف شریعت ہے۔ دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لیے شرط یہ ہے کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتے رہو۔ یعنی اللہ نے بندے پر جو احسانات کیے ہیں ان کا شکر ادا کرتے رہو تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ احادیث اور آثار صحابہ اس پر شاہد ہیں کہ تمام صحابہؓ مرتے دم تک ان چیزوں پر قائم رہے بلکہ اللہ تعالےٰ نے جس وقت یہ حکم نازل فرمایا صحابہؓ فقر و فاقہ میں مبتلا تھے اور مدینہ سے باہر کوئی انھیں پوچھنے والا نہ تھا لیکن اللہ کے فضل سے وہ روم اور ایران کی سرزمین کے مالک ہو گئے۔

مال فئے کے حقدار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَ

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ
دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ
وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوادے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسولؐ کا اور آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجائے اور رسولؐ کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لیلیا کرو اور جس چیز (کے لے لینے) سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔ (۵۹ : ۷)

یہ مال فئے ہے جس کے بارے میں یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ اصل تو یہ مال رسولؐ اللہ کا ہے۔ پھر رسولؐ اللہ ان مذکورہ طبقوں میں سے جسے چاہیں دیں۔ اس پر اصل حق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس حق میں نہ کوئی میراث ہے نہ ترکہ۔ یہ سب وہ مال ہے جس کا کوئی وارث نہیں بلکہ یہ بیت المال کا حصہ ہوگا وہ ان مذکورہ حصوں میں سے جس حصے پر چاہے خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا
غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحشر ۱۰)

اور ان لوگوں کا بھی اس مال فئے میں حق ہے جو ان کے بعد آئے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔ (۵۹ : ۱۰)

جو لوگ بعد میں آنے والے ہیں یعنی تابعین اور تبع تابعین وغیرہم اور قیامت تک جو لوگ بھی اسلام لائیں گے وہ سب حضرات اس مالِ فَے کے حقدار ہیں۔

محمد بن علی بن حسین (جناب باقر) نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ عراقیوں کی ایک جماعت میرے والد (یعنی زین العابدین) کی خدمت میں پہنچی اور انھوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ او عثمانؓ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اور خوب کثرت سے دیں۔ زین العابدین نے ان سے سوال کیا۔ کیا تم فقراء مہاجرین میں داخل ہو۔ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ زین العابدین نے سوال کیا کیا تم والذین تبوء الدار (اور جنھوں نے گھروں میں پناہ دی یعنی انصار) میں داخل ہو انھوں نے جواب دیا نہیں۔

اس پر زین العابدین نے فرمایا تم پہلے دو طبقوں سے تو خارج ہو۔ جہاں تک تیسرے طبقہ کا تعلق ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس صف میں بھی داخل نہیں۔ تم یہاں سے اُٹھ جاؤ اللہ نے تمھارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تو کیا اور کیا کرے گا۔

یہ آیت محبت صحابہؓ کی دلیل ہے اس لئے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ان کے متروکہ اموال میں حصہ رکھا گیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے رہیں اور استغفار کرتے رہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں صحابہؓ میں سے کسی کا بغض ہو۔ یا اس کے دل میں کینہ ہو تو اس کا مسلمانوں کے مال فَے میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر انھوں نے یہ آیت مذکورہ تلاوت کی۔

قربانی حصول تقویٰ کا ذریعہ

ارشاد ربانی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝ (الحج ۳۷-۳۸)

اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس
تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا
تاکہ تم (اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کرو) اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے
تم کو (اس طرح قربانی کرنے کی) توفیق دی اور (اے محمدؐ) اخلاص والوں کو خوشخبری
سنا دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ وغیرہ کو) ایمان والوں سے عنقریب
ہٹا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔ (۲۲: ۳۷-۳۸)

یعنی یہ بھی ایک اللہ کی نعمت ہے کہ یہ جانور تمہارے قبضے میں دیدئے اور تم انھیں قربان کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ بلکہ صرف تمہارا تقویٰ دیکھتا ہے۔ اور دراصل یہ جانور اس لئے تمہارے قبضے میں کئے ہیں کہ اللہ کے احکام کے مطابق ان پر اللہ کا نام لو۔ اور ان نیکوکاروں کو بشارت سنا دو۔

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین کی جانب سے مدافعت فرماتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سرکش کفار اور خائنین کو پسند نہیں کرتا۔

مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ جب مکہ میں مسلمان ایک کثیر تعداد میں ہو گئے اور بہت سے مہاجرین نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو جو مومن مکہ میں باقی بچے تھے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ جن کافروں پر ہمارا بس چلے ہم انھیں قتل کر دیں اور انھیں دھوکے دیں تو اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ سے ان حضرات کی مدافعت کا اعلان کیا۔ گویا کہ کفار انھیں اپنے دین کی جانب مائل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اگرچہ وہ ان پر جبر کریں۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر خائن کافر کو پسند نہیں فرماتا۔

گویا مہاجرین مکہ زبردستی اپنے دین سے نہیں ہٹائے جا سکتے۔

فتح مکہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ
اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر ۱-۳)

(اے محمدؐ) جب اللہ کی مدد اور (مکہ کی) فتح (معہ اپنے آثار کے) آپہونچے (واقع ہوجائے) اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے) (۱۱۰ : ۱-۲)

یہ سورت تمام مفسرین کے نزدیک مدنی ہے۔ بلکہ خود قرآن کے ان الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور مفسرین کا دعویٰ ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مجموعی سور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری عمر میں نازل ہوئی۔ گویا کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے اگرچہ لاتعداد لوگ ہیں لیکن یہ سب حضرات اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ مثلاً عقیل بن ابی طالب اور ام ہانی وغیرہ اور جب یہ ہاشمی حضرات مومن ہیں تو ابوسفیان اور ان کے صاحبزادے یزید بدرجہ اولیٰ مسلمان ہیں اگر ابوسفیان وغیرہ منافق ہیں تو عقیل بن ابی طالب، ام ہانی اور تمام ہاشمی بھی منافق ہیں جو فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔

قیامت کے دن مومن کا نور اس کے دائیں اور سامنے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ (التحریم ۸)

اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے

باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور یہ اس روز ہوگا جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبیؐ کو اور جو مسلمان (دین کی رو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے دائیں اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا اور وہ یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو آخر تک رکھیے (یعنی راہ میں گل نہ ہو جائے) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں (۶۶:۸)

اے ایمان والو اللہ سے خالص توبہ کرو (یعنی ہم جیسے پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کی سی توبہ نہ ہو کہ زبان سے توبہ توبہ کا وظیفہ پڑھتے رہیں لیکن عمل وہی کریں جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو)

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری برائیوں کو دور فرمائے گا اور تمھیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اس روز اللہ تعالیٰ نہ اپنے نبیؐ کو رسوا کرے گا اور نہ ان مؤمنین کو رسوا کرے گا جو نبیؐ کے ساتھ ہوں گے۔ ان حضرات کے آگے اور دائیں نور دوڑتا ہوگا . . . . اور یہ حضرات عرض کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعلان فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ اپنے نبی اور ان کے ان ساتھیوں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ فرمائے گا۔ یعنی جیسے نبیؐ کی رسوائی ایک محالات میں سے ہے ایسے ہی ان لوگوں کی رسوائی ایک محل امر ہے جو نبیؐ کے ساتھ ہیں۔ یعنی ان حضرات صحابہؓ کے لئے آپ اگر کسی عذاب کو قبول کریں گے تو اس کے ساتھ نبی کا عذاب میں مبتلا ہونا ممکن ہوگا۔ اور من حیث المسلم تمام امت یہ تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو قیامت کے روز رسوا نہ کرے گا اسی طرح یہ بھی قبول کرنا ہوگا کہ نبی کے ساتھیوں کو بھی رسوا نہ کیا جائے گا۔ خواہ وہ حضرت علیؓ ہوں یا ابو بکرؓ و عمرؓ، خواہ عثمانؓ ہوں اور خواہ ابوالعاصؓ۔ خواہ جابرؓ بن عبداللہ ہوں یا انسؓ بن مالک۔ الغرض اللہ تعالیٰ ان حضرات میں سے کسی کو بھی رسوا نہ کریگا۔ اس آیت سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ ہماری تاریخ میں ان صحابہ کا جس طرح مذاق اڑایا گیا

ہے وہ ایسی صورت میں ممکن ہے جب ہم یہ قبول کرلیں کہ یہ قرآن سراسر جھوٹا ہے لیکن اگر ہم قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں لازماً یہ قبول کرنا ہوگا کہ یہ تاریخ جسے ہم نے تاریخ اسلام کا نام دیا ہے سراسر اہل تشیع کی فریب کاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے۔ پھر یہ سورت مدینہ میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ اور اس میں وہ صحابہ بھی داخل ہیں جو سبائیوں کی نظر میں مؤلفۃ القلوب میں داخل ہیں جو صرف دکھاوے کے لئے اسلام لائے تھے۔ لیکن یہ فرضی کلیہ بنو ہاشم پر نہیں چلتا لہٰذا غیر ہاشمی سب منافق تھے۔ یہ وہ قاعدہ ہے جو ہمارے مؤرخین نے ہمیں پڑھایا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنان صحابہؓ کو دنیا میں بھی سیاہ لباس پہنا کر ہمیشہ کے لئے روسیاہ کر دیا۔

جب یہ لوگ قرآن میں اپنے مذہب کے خلاف صحابہؓ کی یہ شان دیکھتے ہیں تو وہ یہ عقیدہ اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ قرآن محرف ہے اور جو دو تہائی قرآن حضرت علیؓ کی شان میں تھا اسے ابوبکرؓ، عمرؓ اور زید بن ثابتؓ جو اس قرآن کے اولین جامعین ہیں کھا گئے جبکہ اصلی قرآن حضرت علیؓ نے تحریر کیا تھا لیکن وہ انھوں نے خود قیامت تک کے لئے غائب کر دیا۔ (اب ایران میں جو قرآن چھپتا ہے وہ یار لوگوں کا تیار کردہ ہے۔ اور مصنوعی مال ہے)

قرآن نے یہ بات تو واضح کر دی کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور دائیں نور دوڑتا ہوگا اسی طرح اس نور سے وہ حضرات بھی محروم نہ رہیں گے جنھوں نے آپ کی معیت میں زندگی گزاری اور قرآن نے انھیں نبیؐ کے ساتھی کے خطاب سے نوازا۔ گویا کسی صحابی کی دشمنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہے بلکہ یہ قرآن کی دشمنی ہے گویا صحابہؓ کی شان میں بے ادبی کرنے والا دو جرموں کا ارتکاب کر رہا ہے۔

۱۔ نبیؐ کی عداوت۔

۲۔ قرآن کی عداوت۔

توجو شخص کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرتا ہے گویا وہ سب سے پہلے منکر قرآن بنتا ہے۔ اور اس طرح رسالت کا انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الحدید ۱۱–۱۲)

کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ تعالے اس (دئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہو گا۔ آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۵۷ : ۱۱–۱۲)

اللہ کی راہ میں جو مال دیا جاتا ہے اسے قرض حسنہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ انسان جو قرض لیتا ہے اسے ادا کرتا ہے اور خالصتاً للہ جو کام کیا جاتا ہے اس کا بھی اجر ملتا ہے اس لئے اسے قرض حسن کہا جاتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ جو ادائیگی ہماری جانب سے ہوتی ہے اس میں اضافہ ہوتا ہے اور اس اضافہ کے علاوہ عمدہ اجر بھی ملتا ہے۔ اسی لئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو قرض حسنہ بولا جاتا ہے۔

اس روز مؤمن مردوں اور عورتوں کے آگے اور داہنے نور دوڑتا ہو گا۔ اور اس روز انھیں جنتوں کی خوشخبری ملے گی جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اور یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہو گی۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اس روز اعمال کے مطابق نور ملے گا۔ کسی کو نور کھجور کے تنے کے برابر ملے گا اور کسی کو کھڑے ہوئے انسان کے برابر اور کسی کو پیر کے انگوٹھے کے

برابر۔ کبھی وہ روشن ہوگا اور کبھی [redacted] بجھے گا۔

قتادہ کا بیان ہے کہ ہم سے یہ ذکر کیا جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمنین میں سے بعض مؤمن وہ ہوں گے جن کا نور اتنا روشن ہوگا جتنا مدینہ اور عدن کے درمیان کا فاصلہ یا مدینہ اور صنعا کے درمیان کا فاصلہ حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کے صرف قدموں میں نور ہوگا۔ اگرچہ یہ روایت مرسل ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ نور مؤمنین کے آگے اور دائیں دوڑتا ہوگا جو اس کی دلیل ہے کہ یہ نور کسی عضو مخصوص کے ساتھ چسپاں نہ ہوگا۔ یہاں اس نور کا تذکرہ اس کے بعد کیا جارہا ہے کہ فتح مکہ سے قبل ایمان لانے والے اور بعد میں ایمان لانے والے مساوی نہیں۔ لیکن یہ نور تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کو حاصل ہوگا خواہ وہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا فتح مکہ کے بعد یہ نور ہر دو طبقوں کو حاصل ہوگا۔ اس میں صحابہؓ کا وہ گروہ بھی داخل ہوگا جنھیں ہمارے مورخین مؤلفۃ القلوب کہکر ایمان سے خارج کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اس صف میں داخل ہوں گے۔

اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ سورۂ حدید فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس لئے تمام مؤمن صحابہ اور تمام مؤمنہ صحابیات اس آیت میں داخل ہیں۔ بعض حضرات امیر معاویہؓ کی شان گرانے کے لئے انھیں مؤلفۃ القلوب قرار دیتے ہیں۔ اور مغیرہ بن شعبہ کو سیاسی چالباز قرار دیتے ہیں۔ (حالانکہ مغیرہؓ بن شعبہ بیعت رضوان کے شرکا میں ہیں) اسی طرح عمرو بن العاصؓ کو بھی جو ۸ھ میں اسلام لاچکے تھے۔ سورۂ حدید میں ان تمام صحابہؓ کے لئے کہا جارہا ہے کہ ان کے آگے نور دوڑتا ہوگا۔ اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اب اگر کوئی شخص بعض صحابہؓ کی آگ میں جل رہا ہے تو ہمارے پاس بجز اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ ہم اس کے لئے یہی دعا کریں کہ اللہ اس کی آگ میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحدید ۲۸)

اے (عیسیٰ پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصہ دیگا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دیگا اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (۵۷ : ۲۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے۔ عام مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو انبیاء سابقہ پر ایمان لائے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دگنی رحمت عطا فرمائے گا۔ اور تمہارے لئے وہ نور پیدا فرمائیگا جس میں تم چلو پھروگے یعنی نور ایمان اور تمہاری مغفرت۔ اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

مؤمن کا اجر ـــ جنت اور اس کی آسائشیں

مکّی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۙ

(بنی اسرائیل-۹)

بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقے کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے (یعنی اسلام) اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا۔ (۱۷ : ۹)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہدایت کرنے والا ہے اور مومنین کو بشارت دینے والا ہے جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں کہ انھیں ایک بہت بڑا اجر ملے گا۔

یعنی جو مومنین سابقہ دور میں نیک عمل کرتے رہے ہیں اور اس دور میں بھی کر رہے ہیں

ان کے لئے ایک بہت بڑا اجر ہے۔ یہ سورۂ بنی اسرائیل کی ایک آیت ہے جو واقعہ معراج کے وقت نازل ہوئی تھی۔ گویا اللہ تعالےٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ جو حضرات مومنین ابتدائے نبوت کے وقت اسلام لا چکے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں انھیں بہت بڑا اجر ملے گا۔

اس آیت کے تحت تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں۔ یعنی قرآن اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ حضرات ہجرت سے چند روز قبل تک مومن تھے اور نیک عمل کرتے تھے یعنی ہجرت مدینہ تک ان میں کوئی منافق نہ تھا۔ اسی باعث شیعہ اس کے دعویدار ہیں کہ یہ قرآن تو جھوٹا ہے اور اصلی قرآن تو ہمارے امام مہدی لیکر پانچ سال کی عمر میں غائب ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ اور وہ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔ اس وقت تک آپ بھی انتظار کیجئے۔ ہم تو صرف اتنی بات جانتے ہیں کہ گیارھویں امام بے اولاد مر گئے تھے۔ یعنی جس طرح بارھویں امام فرضی تھے اسی طرح ان کا قرآن بھی فرضی ہے اور جس طرح امام بغیر پیدا ہوئے غائب ہو گئے اسی طرح ان کا قرآن بھی ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِ الْحُسْنٰى۔ (الکہف ۸۸)

اور جو شخص ایمان لے آوے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی۔ (۱۸ : ۸۸)

یعنی جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال انجام دئے تو اس کے لئے اچھی جزا ہے۔ یہ آیت عام ہے اسے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہؓ ہوں جو قبل از ہجرت ایمان لا چکے تھے اور نیک عمل کر چکے تھے۔ اس طرح اس آیت میں تمام مہاجرین صحابہؓ داخل ہوں گے۔ ہاں آیت سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ جو ان مہاجرین میں سے کسی کے ایمان میں شک کرے۔ یا ان کے اعمال صالحہ میں شک کرے تو وہ قرآن کا منکر ہے۔ یا ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ فلاں منافق تھا صرف دکھاوے کیلئے اسلام لایا تھا تو حقیقت یہ ہے کہ مہاجرین میں سے کوئی منافق نہ تھا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ
اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ
یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ
ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ
فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (الکہف ۳۰-۳۱)

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے (پس) ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے (مساکن کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے اور وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا صلہ ہے اور (بہشت) کیا ہی اچھی جگہ ہے۔ (۱۸ : ۳۰-۳۱)

یعنی ہم کسی ایسے مؤمن کا جو نیک عمل انجام دیتا ہے اس کا کوئی اچھا عمل ضائع نہ کریں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سورت کہف کی آیات ہیں جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی گویا ان آیات کے نزول کے وقت جو صاحب ایمان تھے اور نیک عمل انجام دیتے رہے اللہ تعالٰے کی جانب سے انھیں وہ صلہ ملنا ہے جو ان آیات میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالٰے عام طور پر ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول سے قبل جو حضرات بھی ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کا انجام یہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان آیات کے تحت تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں۔ گویا ہمیں ان حضرات کا مقام بتایا جارہا ہے کہ ان کا ٹھکانہ یہ ہوگا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اہلِ مکہ میں سے کوئی شخص منافق نہ تھا۔ بلکہ بقول ابن عباسؓ لَا نَعْلَمُ الْكَذِبَ ہم تو یہ بھی نہ جانتے تھے کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں ان کی جانب جھوٹ کی نسبت سبائی حضرات نے کی ہے تاکہ اپنے جھوٹ پر پردہ ڈال سکیں۔

ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جو حضرت علیؓ کے باعث یہ کہتے ہیں کہ تمام بنو ہاشم منافق تھے۔ لیکن وہ اتنی معمولی سی بات عقل سے نہیں سوچتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی ہیں اور آپ کے علاوہ حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن حارث بھی ہاشمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شیعوں کے اس اثر بد سے محفوظ رکھے۔ دراصل شیعوں کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جب چند صحابہ پر تنقید کی راہ کھل جائے گی تو تمام صحابہ کے لئے خود بخود راستہ ہموار ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (الکہف ۱۰۷-۱۰۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے۔ ان کی مہمانی کیلئے فردوس (یعنی بہشت) کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو کوئی نکالے گا اور نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ (۱۸ : ۱۰۷-۱۰۸)

بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ نمازیں قائم کیں اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ وہ جہاد کرے یا اس مقام پر بیٹھا رہے جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بشارت نہ دیدیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے تیار کئے ہیں۔ ہر دو درجہ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان میں۔ تم جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کیا کرو۔ کیونکہ وہ اعلیٰ جنت ہے۔

اوراس کے اوپر عرش رحمٰن ہے جس سے نہریں پھوٹتی ہیں۔

یہ امر تو آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ تمام مؤمنین صحابہ جنھوں نے نیک عمل کئے اور سورۂ کہف کے نزول سے قبل ایمان لے آئے وہ تمام صحابہ کرام جنت الفردوس میں جائیں گے۔

سورۂ کہف تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ گویا اس آیت میں مہاجرین کرام کی فضیلت بیان کی جارہی ہے کہ یہ سب جنت الفردوس میں ہوں گے۔ اور انھیں اس حصہ سے نکالا بھی نہ جائے گا۔ گویا یہ تمام مہاجرین صحابہؓ جنت الفردوس کے مالک ہیں۔ اور اس میں کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔ یہ تمام حضرات جنت الفردوس میں ہوں گے۔ منافقین جو چاہے منہ سے بکتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (نحل ۹۷-۹۹)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۱۶ : ۹۷ — ۹۹)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اسے حیات طیبہ عطا کی جائیگی اور اس کے اچھے اعمال کا اسے اجر دیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حیات طیبہ سے کیا مراد ہے۔

ابن عباسؓ، سعیدؒ بن جبیر، عطاؒ اور ضحاکؒ اس کے قائل ہیں کہ حیات طیبہ سے مراد رزق حلال ہے۔

حسن بصری، زید بن وہب ۔ وہب بن منبہ اور ابن عباس کا ایک قول ہے کہ اس سے مراد قناعت ہے۔

ضحاک سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اس سے مراد اس اطاعت کی توفیق ہے جو رضائے الٰہی کا سبب بنے۔

اور بھی مختلف اقوال ہیں لیکن ان سب کا مقصود رضائے الٰہی ہے۔

ان حضرات کو اچھے اعمال کے باعث آخرت کا اجر عطا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہے کہ اے نبی آپ جب بھی قرآن پڑھیں تو پہلے شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ تاکہ شیطان درمیان میں خلل انداز نہ ہو اور قرآن پر غور کرنے اور عمل کرنے سے نہ روک دے۔

لیکن شیطان کو اس پر قدرت نہیں کہ وہ مؤمنین اور متوکلین پر قابو پائے اور انھیں ایسی راہ پر لگائے جو انسان کو معاصی کی جانب لے جائے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تلاوت کلام اللہ سے قبل اعوذ باللہ پڑھنا فرض ہے۔ تعوذ پڑھے بغیر قرآن کی تلاوت جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل ۱۰۲)

آپ فرما دیجیے کہ اس کو روح القدوس آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے مطابق لائے ہیں تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری (کا ذریعہ) ہو جاوے۔ ۱۶: ۱۰۲

اس قرآن کو اللہ کی جانب سے جبرئیل لے کر نازل ہوتے رہے۔ تاکہ مؤمنین کے قدم ثابت رہیں اور ان کے لیے یہ وحی مزید ہدایت کا سبب بنے اور مسلمانوں کو بشارت

حاصل ہوتی رہے۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالےٰ نے اٰمنوا کا لفظ استعمال کیا ہے جو یہ ثابت کر رہا ہے کہ جن حضرات کی ثابت قدمی، ہدایت اور بشارت کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ اس آیت کے نزول سے قبل ایمان لا چکے تھے۔ اور یہ لفظ یہ بھی ثابت کر رہا ہے کہ وہ ایمان لانے والے کوئی دو چار نہیں بلکہ وہ متعدد افراد ہیں۔ اور یہ سب حضرات مہاجرین مکہ ہیں۔ کیونکہ سورت نحل مکی ہے۔ لہذا یہ مؤمنین بھی مکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل ۹۶)

اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجران کو ضرور دیں گے۔ (۱۶ : ۹۶)

انسان کے پاس جو مال و دولت ہے وہ سب فنا ہو جائے گا لیکن اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی رہے گا۔ اور اللہ تعالےٰ صابرین کو ان کے اچھے اعمال کے باعث اجر عطا فرمائے گا۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ امرئ القیس بن عابس الکندی اور ابن اسوع کے درمیان زمین کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا۔ امرئ القیس نے قسم کھانے کا ارادہ کیا لیکن جب یہ آیت سنی تو فوراً رجوع کر لیا۔ اور ابن اسوع کے حق کو قبول کر لیا۔

یہ تو مفسرین کا بیان کردہ شان نزول ہے۔ ورنہ آیت عام ہے کہ جو حضرات بھی اچھے اعمال انجام دیں گے اور ان پر ثابت قدم رہیں گے انھیں ان اچھے اعمال کا اجر ملنا ہے۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس آیت کے تحت تمام مہاجرین صحابہ رضی میں داخل ہیں اور جب اس آیت کے تحت امرئ القیس بن عابس اور ابن الاسوع داخل

ہو سکتے ہیں تو ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ تو پہلے داخل ہوں گے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انسان کو صرف اس کے عمل کا اجر ملتا ہے۔ وہ عمل اچھا ہو یا برا۔ پھر جزا اچھی ہو یا بری۔ لیکن جس عمل کا تعلق مرنے والے کی ذات سے نہیں اُسے ہر گز بھی اس کا اجر نہ ملے گا۔ جیسے مرنے کے بعد تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ ان میں سے کسی عمل کا تعلق مرنے والے سے نہیں۔ اب اگر اس کا ثواب یا عذاب ملے گا تو یہ کام کرنے والے کو ملے گا۔ مرنے والے سے اس عمل کا کوئی تعلق نہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ (الانبیاء ۹۴)

سو جو شخص نیک کام کرتا ہو گا اور وہ ایمان والا بھی ہو گا سو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (۲۱ : ۹۴)

امام قرطبی کا بیان ہے کہ کسی مکلف میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ہر قسم کی طاعات پر عمل کر سکے لہذا الصالحات کے ساتھ مِن کا اضافہ کیا گیا تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ جو شخص فرائض و نوافل میں سے بشرطیکہ موحد اور مسلم ہو کچھ بھی اطاعات بجالائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس کوشش کو رد نہ فرمائیں گے۔ یہ آیت سورۂ آل عمران کی اس آیت کی نظیر ہے۔

اِنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔

یعنی ہر عمل اللہ کے یہاں محفوظ ہے تاکہ اس کا بدلہ دیا جائے۔

یہ آیت بھی مکی ہے۔ لہذا جو مہاجر مکہ میں نیک عمل کرتا رہا تو اس کے کسی نیک عمل کو ضائع نہ کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اعمال لکھ لئے ہیں۔

یعنی نیک اعمال کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنی جب تک ایمان نہ ہو گا۔ یعنی اللہ پر یقین نہ ہو گا اور اس پر یقین ہی نہ رکھتا ہو گا کہ ان اعمال کی کچھ

جزء ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کو قبول کرتا ہے۔ اور اگر اس پر یقین ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ سے کسی خواہش کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمادی ہے کہ یہ مہاجرین مؤمن ہیں اور نیک عمل انجام دیتے رہے ہیں۔ اور ہم ان کے کسی عمل کو ضائع نہ کریں گے یعنی یہ کوئی تقیہ باز قوم نہیں کہ جس نے حضور سے اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے ایمان قبول کیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو صحابہ کرام کے اس تقیہ کی ۲۳ سال تک ہوا نہ لگی لیکن اتفاق سے ان کو اقتدار ملتے ہی سبائی برادری پر یہ انکشاف ہوا کہ یہ تو سب منافق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی منافقت کا علم نہ ہو سکا اور اللہ کو ویسے بھی بدا ہوتا رہتا ہے۔ اسے پہلے سے کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ جعفر کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ ان کا بیٹا اسمٰعیل مر جائے گا اور امامت سے محروم ہو جائے گا۔ یہ تو ان کے مرنے کے بعد جعفر کو خدا نے بتایا۔ اور انھوں نے امامت میں تبدیلی کی۔۔۔ لیکن مسلمانوں کا اللہ ہر شئے لکھتا رہتا ہے۔ اس سے کوئی شئے مخفی نہیں رہتی۔

اگر شیعہ حضرات کی یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ تمام صحابہ منافق تھے اور صرف اقتدار حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ظاہری اسلام قبول کرلیا تھا تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت تو صرف چند مہاجرین کو ملی لیکن بقیہ قریشی اور تمام انصار تو مؤمن ثابت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ (طٰہٰ ۱۱۲)

اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا سو اس کو (کامل ثواب ملے گا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا۔ (۲۰ : ۱۱۲)

قرطبی لکھتے ہیں کہ کوئی نیک عمل بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتا۔ اسی باعث "وَهُوَ مُؤْمِنٌ" کی شرط لگائی گئی ہے کہ جو بھی صاحب ایمان کچھ تھوڑی بہت نیکیاں

کرے گا۔ اس پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور نہ اس کی نیکیوں میں کوئی کمی ہوگی۔
ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔ (طٰہٰ ۸۲)

(اور نیز اس کے ساتھ یہ بھی کہ) میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم (بھی) رہیں۔ (۲۰ : ۸۲)

میں (اللہ تعالیٰ) اس شخص کی مغفرت کرنے والا ہوں جو کفر سے توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ نیک عمل کرتا رہے۔ اور پھر ہدایت پر قائم بھی رہے۔

سفیان ثوری کا بیان ہے کہ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرنے والا ہے جو شرک سے اجتناب کرے، نیک عمل کرتا رہے اور پھر اسی نیکی پر اس کی موت آئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ایک کلیہ بیان فرمایا ہے کہ میں ہر اس شخص کی مغفرت کروں گا جو کفر سے توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ نیک عمل کرے اور پھر اس پر مستقیم رہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان تمام حضرات کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور تمام مہاجرین صحابہ نے کفر سے توبہ کی۔ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے بلکہ مرتے دم تک اس پر قائم رہے تو ان تمام حضرات مہاجرین کی مغفرت یقینی ہے اور جو شخص ان حضرات میں سے کسی کی مغفرت کا منکر ہو وہ منکر قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا

سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ۝ (مریم ۵۹ تا ۶۳)

پھر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی و ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے ہاں مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ جنت میں جاویں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا وہ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (اور) اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہونچیں گے اس (جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سننے پاویں گے بجز سلام کے اور ان کو ان کا کھانا صبح و شام ملا کرے گا یہ جنت (جس کا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا مالک ایسے لوگوں کو بنا دیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ (۱۹: ۵۹-۶۳)

یعنی جن لوگوں نے اتباع شہوات اور نمازوں کے ترک سے توبہ کی اور ایمان لاکر نیک عمل انجام دیئے ان کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ زبیر بن بکار نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ مومنین کو جنت میں دو بار کھانا ملے گا۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ بھی سورۂ مریم کی آیات ہیں اور یہ محقق ہے کہ یہ سورت ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ لہٰذا وہ تمام مہاجرین صحابہ جو ان آیات کے نزول سے قبل اسلام لا چکے تھے وہ سب جنتی ہیں۔ جن کو جنت وراثت میں ملی ہے۔ کیونکہ یہ سب حضرات ان لوگوں میں داخل ہیں جنھیں قرآن متقی کہہ رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ۝ (الروم ۱۵)

جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ میں مسرور ہوں گے (۳۰-۱۵)

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انھیں باغات میں نعمتیں عطا ہوں گی۔

یہ سورۂ روم کی ایک آیت ہے اور یہ تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ گویا اس

آیت میں مہاجرین مکہ کی خوبی بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ صاحب ایمان ہیں اور نیک عمل کرتے رہتے ہیں۔ تو یہ لوگ جنت کے باغات میں آرام کریں گے اور نعمتوں سے فیضیاب ہوں گے۔ گویا شیعوں کا یہ دعویٰ تو باطل ہے کہ مہاجرین مکہ منافق تھے یا یہ ماننا ہوگا کہ اللہ تعالےٰ بے خبر ہے معاذ اللہ انھیں کچھ خبر نہ تھی حقیقتاً یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عیاذاً باللہ۔

گویا اس صورت میں قرآن کا انکار لازم آتا ہے جو اہل سنت میں سے کسی کا عقیدہ نہیں ہوسکتا لیکن عملاً سب اسی مرض کا شکار ہیں اور خاص طور پر صوفیاء تو قرآن دشمنی کے دلدادہ ہیں۔ بلکہ دوسرے الفاظ میں تصوف قرآن دشمنی کا دوسرا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (لقمٰن ۸-۹)

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (۳۱ : ۸-۹)

یہ حضرات مہاجرین جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کے لئے جنتیں ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

گویا یہ حضرات مہاجرین چند خوبیوں کے مالک ہیں۔

۱۔ یہ مؤمن ہیں (مؤمن شیعہ نہیں)

۲۔ ان حضرات نے نیک اعمال انجام دیئے ہیں۔

۳۔ ان حضرات کو جنت عطا ہوگی جن میں یہ متعدد نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

۴۔ یہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔

اب اگر ہمارا قرآن پر ایمان ہے تو اس پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ تمام مہاجرین صحابہ رضی

جنتی ہیں اس سے انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن کا منکر ہو۔ گویا یا تو ہم اس قرآن کو تسلیم کر لیں یا ان داستانوں کو تسلیم کر لیں جنھیں آج تاریخ اسلام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الروم - ۴۴ - ۴۵)

جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے۔ واقعی اللہ تعالےٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۰ : ۴۴ - ۴۵)

یہ آیات بھی مکی ہیں اور ان آیات میں ان تمام حضرات کو جو مکہ میں ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انھیں مؤمن قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ اشخاص جو ایمان لائے اور نیک عمل نہیں کئے وہ کفار میں داخل ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ گویا کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب وہ حضرات صحابہ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے یعنی جو ان حضرات صحابہ کو مؤمن نہیں مانتا وہ اللہ کی نظروں میں کافر ہیں۔ ان کا ایمان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدہ ۱۵ - ۱۶)

بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید

کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۳۲: ۱۵-۱۶)

ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر مکہ کے عام باشندے ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا؟ یہ صحابہؓ کرام کی جماعت تو موجود ہے جب بھی ان کے سامنے آیات الٰہی تلاوت کی جاتی ہیں یہ حضرات تسبیح و تحمید کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور یہ حضرات سجدہ ریز ہونے سے تکبر بھی نہیں کرتے۔ راتوں کو ان کے پہلو بستروں کو بھی نہیں لگنے پاتے۔ یہ حضرات ہمہ وقت اللہ کو پکارتے رہتے ہیں۔ اور وہ یہ سب کام ... اور اس کی نعمتوں کی تمنا میں انجام دیتے ہیں۔ اور ہم نے انھیں جو مال دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔

دراصل ان آیات میں صحابہ کرامؓ کی خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں ان حضرات کا خوف الٰہی میں یہ عالم ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں یعنی سجدہ میں سُبحان اللہ و بحمدہ یا سبحان ربی الاعلی و بحمدہ کہتے رہتے ہیں۔ ان کے پہلو بستروں پر لگنے نہیں پاتے یعنی رات بھر نفلیں پڑھتے رہتے ہیں ان میں سے جن حضرات کو ہم نے مال عطا فرمایا ہے مثلاً ابو بکرؓ وہ اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے رہتے ہیں۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے اور اکثر علما نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اور ان آیات میں مہاجرین صحابہؓ کی مدح کی جا رہی ہے۔ یہی قول تابعین اور تبع تابعین میں سے مجاہد، اوزاعی، مالک بن انس، حسن بن ابی الحسن اور ابو العالیہ وغیرہ کا ہے۔ اور یہی قرآن کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات مہاجرین صحابہؓ کے پہلو رات کو بستروں سے نہیں لگ پاتے۔

گویا اللہ تعالےٰ ان مہاجرین صحابہ کی خوبیاں بیان کر کے ہم لوگوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ ہم ان مہاجرین کی اقتدا کریں۔ اور ان کے طریقہ کار پر چلیں تاکہ ہم لوگ بھی فلاح پا سکیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

أَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ — ۱۹)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو ان کے بدلے میں بطور ان کی مہانی کے ہیں۔ (۳۲: ۱۹)

جو مہاجرین مکہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کو ان کے اعمال کی بدولت جنت ملے گی جو ان کا ٹھکانا ہوگی۔ اور یہ سب کام بطور مہانی انجام دئے جائیں گے۔

یہ مقام تو ان کے سابقہ ایمان اور سابقہ اعمال صالحہ کی بنا پر عطا ہوگا لیکن بعد میں ان حضرات نے جو نیک اعمال انجام دئے ان کا اجر جداگانہ ہے۔

اس آیت سے اس امر کی بھی وضاحت ہو رہی ہے کہ انسانوں کو اُن کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور جو عمل انھوں نے خود نہ کیا ہوگا اس کا ان کے اعمال سے کوئی تعلق نہ ہوگا مثلاً قرآن خوانی، تیجہ، دسواں اور چالیسواں۔ اب اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں کہ یا تو یہ مذکورہ عمل خود ان کام کرنے والوں کے سپرد ہوں گے اگر یہ صحیح اعمال ہیں۔ ورنہ یہ کام کرنے والوں کے لئے مزید عذاب کا سبب بنیں گے۔ مرنے والوں کو قطعاً اس کا کوئی اجر نہ ملے گا۔ گویا یہ زندہ لوگ مُردوں کے نام سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الفاطر ۷)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے (معاصی کی) بخشش اور ایمان پر بڑا اجر ہے۔ (۳۵ : ۷)

جو لوگ بھی ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ یعنی جنت۔

یہ سورۂ فاطر کی ایک آیت ہے جو مکی ہے۔ یعنی وہ حضرات جو اس سورت کے نزول سے قبل ایمان لاچکے اور نیک عمل کرتے رہے ان تمام حضرات کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اب جو شخص ان مہاجرین صحابہؓ کے ایمان کا منکر ہو یا ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر کا منکر ہو۔ اللہ کی نظروں میں وہ منکر قرآن ہے مؤمن قرآن نہیں۔

زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے جس میں امیر معاویہؓ اور حضرت ابو سفیانؓ وغیرہ داخل نہیں۔ تو ہمارا دعوی بھی یہی ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس میں تمام مہاجرین مکہ داخل ہیں۔ تو جس طرح اس آیت کے تحت ابو بکرؓ و عمرؓ داخل ہیں اسی طرح عثمانؓ و علیؓ بھی اور اسی طرح طلحہؓ و زبیرؓ بھی یہ سب مکہ میں ابتدا میں ایمان لانے والے اور ایمان کی خاطر مصائب جھیلنے والے لوگ ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ○ (الفاطر ۲۸ــــ ۳۰)

اور اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالےٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تاکہ ان کو ان کی اجرتیں (بھی) پوری پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (بھی) دیں بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ (فاطر ۲۸ــ۳۰)

یعنی علماء تو وہ ہیں جو اللہ کی قدرت سے خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالےٰ قدرت رکھتا ہے وہ اس پر بھی یقین رکھتا ہے کہ اللہ انسان کی معصیت پر بھی باز پرس کرے گا۔

ربیع بن انس کا بیان ہے کہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔

مجاہد کا بیان ہے کہ عالم تو وہ ہے جو اللہ سے ڈرے۔

اور علماء کا کام یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے، نمازیں پڑھتے اور جو کچھ انہیں اللہ نے عطا کیا ہے وہ علانیہ اور مخفی طور پر خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس طرح اس تجارت میں لگے رہتے ہیں جس میں کبھی کمی نہ آئے گی تاکہ اللہ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور ان پر اپنے فضل سے اور اضافہ فرمائے۔ کیونکہ وہ بہت گناہوں کی مغفرت کرنے والا اور تھوڑے سے عمل کو قبول کرنے والا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝ (الفاطر ۳۲-۳۵)

پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے (تمام دنیا کے) بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور بعضے ان میں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (رنج و) غم دور کر دیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔ (۳۵: ۳۲-۳۵)

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں ظالم اور مقتصد سے کیا مراد ہے۔ ابن

عباسؓ کا بیان ہے کہ ظالم سے مراد کافر ہے۔ اور عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کا کہنا ہے کہ مقتصد سے مراد وہ مومن ہے جو گناہگار ہو۔ اور یہ آیت سورۂ واقعہ کی اس آیت کی نظیر ہے جس میں کہا گیا ہے۔ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (تم تین گروہوں میں تقسیم تھے)۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ سابق وہ ہے جو ہجرت سے قبل اسلام لایا۔ مقتصد وہ ہے جو بعد ہجرت اسلام لایا اور ظالم وہ ہے جو تلوار کے بغیر ایمان نہیں لایا۔ اور ان تینوں جماعتوں کی مغفرت کی گئی ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ سابق آئے گا اور وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائے گا۔ مقتصد سے آسان حساب لیا جائے گا اور ظالم اپنی ذات کے باعث پکڑا جائے گا اسے تنبیہ و توبیخ کی جائے گی پھر وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔ پھر یہ تینوں طبقے کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ (الآیۃ الفاطر ۳۴)

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (رنج و غم) دور کر دیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ (۳۵ : ۳۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ (یٰسین ۱۱)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور اللہ سے بے دیکھے ڈرے سو آپ اس کو مغفرت اور عمدہ عوض کی خوشخبری سنا دیجئے۔ (۳۶ : ۱۱)

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اور اس میں ان صحابہؓ کی تعریف کی جا رہی ہے جو مکی زندگی میں آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ ان کے لئے مغفرت اور معزز اجر کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اور تمام عشرہ مبشرہ ہجرت سے قبل اسلام لا چکے تھے لہٰذا ان کے لئے تو مغفرت اور معزز اجر لازم ہو چکا۔ یعنی ان حضرات کے لئے یہ کہنا کہ ان کے لئے مغفرت اور معزز اجر نہیں، انکار قرآن ہے۔ ان سب حضرات کے لئے مغفرت تسلیم کرنا لازمی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ○ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ○ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ○ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○ (یٰس ۵۴-۵۸)

پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں ہر طرح کے میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا۔ (۳۶: ۵۴-۵۸)

اس روز کسی نفس پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا اور انسان کو صرف اُن اعمال کی جزا دی جائے گی جو وہ خود کرتا رہا تھا۔ لیکن جو اعمال اس نے خود انجام نہیں دیئے مثلاً قرآن خوانی، تیجہ، دسواں، چالیسواں اور قل وغیرہ ان امور کا نہ اس سے سوال ہوگا اور نہ اس سے اس کا کوئی واسطہ ہوگا۔ ان امور کا سوال ان لوگوں سے ہوگا جو تیجہ اور قرآن خوانی وغیرہ کے نام سے یہ خرافات انجام دیتے ہیں کیونکہ یہ ان لوگوں کا اپنا عمل ہے اور اس کی اچھی یا بری جزا بھی انہی لوگوں کو ملے گی۔ اس کے یہاں یہ ظلم نہ ہوں گے کہ عمل وارث کریں اور کھاتے ہیں مرنے والے کے لکھا جائے اور اپنے کھانے پینے کے لئے مرنے والے کا نام لیا جائے۔

اس روز یہ جنتی میوے کھاتے ہوں گے۔ ان کی ازواج گدوں پر ٹیک لگائے بیٹھی ہوں گی۔ ان کے کھانے کو پھل اور وہ تمام اشیا ملیں گی جو یہ حضرات طلب کریں گے۔ ان پر پروردگار کی جانب سے سلامتی نازل ہوگی۔

یہ آیات وحی نازل کی گئیں تو مہاجرین صحابہ کا ایک طبقہ موجود تھا جن کی یہ عظمت بیان کی جارہی ہے۔ گویا ہم پر یہ ایمان لانا لازمی ہے کہ یہ سب حضرات جنتی ہیں اور

ان پر پروردگار کی جانب سے سلامتی نازل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ (الصّٰفّٰت ۳۹ — ۴۹)

اور تم سب کو اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہاں مگر جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال (دوسری سورتوں میں) معلوم (ہو چکا) ہے یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جاوے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا سفید ہوگی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی نہ اس میں دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آوے گا اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔ (۳۷ : ۳۹ — ۴۹)

قیامت کے روز انسانوں کو صرف ان اعمال کی جزا ملے گی جو وہ خود کرتے رہے تھے اور اللہ کے خاص بندوں کو عمدہ رزق ملے گا اور معزز پھل بھی ملیں گے۔ صحابہ کرام کا یہ طبقہ جنت نعیم میں ایک دوسرے کے مقابل تختوں پر بیٹھا ہوگا۔ ان کے سامنے پینے کیلئے صاف اور خالص پانی پیش کیا جائے گا جو پینے والوں کو لذت دے گا۔ نہ اس پانی سے سرگرانی پیدا ہوگی اور نہ عقل جائے گی۔ ان کو وہاں بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں بھی پیش کی جائیں گی گویا وہ مخفی انڈے ہیں۔

یہ تمام نعمتیں ان صحابہ کو تو حاصل ہوتی ہیں جو ہجرت سے قبل ایمان لا چکے اور دیگر مؤمنین کو ان کی اتباع میں یہ لذتیں حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۗ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝ (ص ۴۹—۵۴)

ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیز گاروں کے لئے (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی (اے مسلمانو) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے بے شک یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم بھی نہیں۔ (۳۸ : ۴۹—۵۴)

یہ ایک عمدہ نصیحت ہے متقین کو اچھا ٹھکانہ ملنا ہے اور وہ جنت عدن ہے جس کے دروازے کھلے ہوں گے۔ جس پر یہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں ان کو عمدہ پھل اور پینے کے لئے عمدہ چیزیں ملیں گی۔ ان کے پاس وہ حوریں ہوں گی جن کی نگاہیں دوسروں کی جانب نہ اٹھیں گی، وہ ہم عمر ہوں گی۔ یہ وہ جزا ہے جو انھیں حساب کے دن دی جائے گی۔ اور یہ ہمارا ایسا رزق ہوگا جس کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔ گویا یہ جنت کی نعمتیں لازوال ہوں گی جن کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔

یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں متقین کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ان صحابۂ کرام کی بیان کی جا رہی ہیں جو مکی زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمام عمر ان ہی خوبیوں پر گزاری۔ گویا یہ نعمتیں بیان کر کے ان کے تقویٰ وطہارت کو قبول کر لیا گیا۔ اور یہ حضرات عشرہ مبشرہ اور سابقین اولین ہیں۔ اور انشاء اللہ ان حضرات کو وہ رزق عطا ہونا ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں۔

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝ (الجاثیہ ۳۰)

سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اور یہ صریح کامیابی ہے۔ (۴۵ : ۳۰)

یہ سورہ جاثیہ کی ایک آیت ہے جو مکی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالٰے نے ان حضرات صحابہ سے جو اس آیت کے نزول سے قبل ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور نیک عمل کر چکے تھے۔ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰے انھیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ دراصل یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور وہ حضرات یقیناً مہاجرین صحابہ ہیں جو اس سورت کے نزول سے قبل ایمان لائے اور عمل نیک انجام دئے اور اس امر کا وعدہ اللہ تعالٰی نے انھیں صحابہ سے فرمایا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں وہ تمام مہاجرین صحابہ داخل ہیں جنھیں سبائی کافر کہتے ہیں

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۔ (المؤمن ۴۰)

اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جاویں گے اور وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا۔ (۴۰ : ۴۰)

یعنی کوئی بھی شخص خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو اگر نیک عمل کرے گا تو وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور وہاں اسے بغیر حساب کے رزق دیا جائے گا۔

یہ سورہ غافر (المومن) کی ایک آیت ہے اور آیت کے شروع میں مَنْ عَمِلَ ماضی کا صیغہ ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ اسی گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو سورۂ غافر کے نزول سے قبل ایمان لا چکا اور نیک عمل کر چکا ہے۔ اور یہ تمام حضرات مہاجرین صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ مکی سورتوں میں جہاں بھی اہل ایمان کا ذکر آتا ہے اس سے مہاجرین مکہ مراد ہوتے ہیں۔ان میں انصار داخل نہیں ہوتے۔یعنی یہ وہ گروہ ہے جن کے باعث روافض قرآن کو محرف مانتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (حٰمٓ السجدۃ-۸)

جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو (کبھی) موقوف ہونے والا نہیں۔ (۴۱: ۸)

یعنی وہ حضرات جو اسی آیت کے نزول سے قبل ایمان لاچکے اور نیک عمل کرچکے انھیں اجر ملتا رہے گا۔جس میں کوئی انقطاع نہ ہوگا۔یعنی ایسا نہ ہوگا کہ پہلے اجر ملتا رہے بعد میں اس کا سلسلہ بند کردیا جائے۔یعنی ان حضرات کو جو اس سورت کے نزول سے قبل ایمان لاچکے اور نیک عمل کرتے رہے انھیں اجر بھی بغیر کسی انقطاع کے ملنا ہے۔یعنی ایسا نہ ہوگا کہ حضور کی وفات کے بعد اچانک بند ہو جائے اور ان کو بدا ہو جائے یعنی مغالطہ واقع ہو جائے اور اسمٰعیل کی جگہ موسیٰ کاظم کو امام بنادیا جائے)

ارشاد الٰہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الشوریٰ ۲۲-۲۳)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں (داخل) ہوں گے وہ جس چیز کو چاہیں ان کے رب کے پاس ان کو ملے گی یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ (۴۲: ۲۲-۲۳)

اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں مؤمنین کو بشارت دی ہے کہ جو حضرات ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنت کے باغیچوں میں ہوں گے۔اور وہ حضرات

جو بھی اپنے پروردگار سے چاہیں گے وہ انھیں عطا ہوگا اور یہ ان حضرات پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل ہوگا۔

یہ سورت مکی ہے اور ان آیات میں ہر جگہ اٰمنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے ہیں۔ یعنی یہ حضرات جن کا ذکر ہو رہا ہے ان آیات کے نزول سے قبل ایمان لا چکے اور نیک عمل کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انھیں جنت کی بشارت سنا چکا ہے۔ گویا کہ وہ تمام اہل مکہ جو سورۂ شوریٰ کے نزول سے قبل ایمان لا چکے وہ سب جنتی ہیں۔ اور یہ اُن پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (الزخرف ۶۸ — ۷۳)

(اور مومنین کو حق تعالےٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور ہمارے فرمانبردار تھے تم اور تمھاری (ایماندار) بیبیاں خوش بہ خوش جنت میں داخل ہو جاؤ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے (یعنی غلمان لاویں گے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہوگے اور (ان سے کہا جاوے گا کہ) یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنادئے گئے اپنے (نیک) اعمال کے عوض میں اور تمھارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے کھا رہے ہو۔ (۴۳: ۶۸ — ۷۳)

اے میرے بندو آج تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔ اللہ کے بندے دراصل

وہ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائے اور مسلم رہے۔ انھیں حکم ہوگا کہ تم بھی اور تمھاری بیویاں بھی جنت میں داخل ہو جائیں۔

ان کے پاس صبح و شام سونے کے طباق اور پیالے لائے جائیں گے۔ ان جنتوں میں ہر وہ شئے ہوگی جس کی خواہش ان کا دل کرے گا اور جن میں آنکھوں کی لذت ہوگی۔ اے میرے بندو تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہ وہ جنت ہے جو ہم نے تمھیں تمھارے اعمال کے بدلہ میں بطور ورثہ دی ہے۔ اس میں تمھارے لئے ہر قسم کے میوے بھی ہوں گے جنھیں تم اپنی خواہش کے مطابق کھاؤ گے اور تم اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

یہ سورۂ زخرف کی آیات ہیں۔ اور یہ سورت مکی ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ تمام خوبیاں اور فضائل مہاجرین مکہ کے بیان کئے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ ان حضرات میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ تمام وہ حضرات جو مکہ میں اسلام سے مشرف ہو چکے تھے وہ سب ان صفات کے حامل تھے۔ یہ سب حضرات اہل ایمان تھے، مسلم تھے اور یہی وہ ہیں جنھیں جنت کی بشارت دی جا رہی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ امور جو انسان کے مرنے کے بعد دیگر اعزا و اقارب قرآن خوانیوں اور تیجوں کے نام سے کرتے ہیں مرنے والے کو ان کا کوئی اجر نہیں ملتا۔ جنت کی وراثت تو اپنے اعمال کی عوض میں ملے گی اور یہ اعمال اس کے عزیز و اقارب کے ہیں۔ اس کے اعمال تو مرنے کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان اعمال کی جزا جو انسان نے خود انجام نہیں دئے انھیں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ وہ اس کا عمل نہیں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ۝ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (الدخان ۵۱ — ۵۷)

بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے باغوں میں اور نہروں میں (اور) وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے (اور) وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے (یعنی مرنے کے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا یہ سب کچھ آپ کے ربّ کے فضل سے ہوگا بڑی کامیابی یہی ہے۔ (دخان : ۵۱-۵۷)

ان آیات کریمہ میں متقین کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے کہ ان کو کیا کیا نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اور یہ بات بارہا بیان کی جاچکی ہے کہ متقین سے مراد وہ صحابہ ہیں جو اس سورت کے نزول سے قبل ایمان سے مشرف ہوچکے تھے اور جنھیں عرف عام میں مہاجرین مکہ کہا جاتا ہے۔

یہ امر ضرور ذہن میں رہے کہ اسلام میں مہاجر وہ ہے جو اسلام کے خاطر وطن چھوڑ کر آئے۔ لیکن اس کی اولاد جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئی وہ مہاجر نہیں۔ گویا ہجرت کرنے والی نسل مہاجر ہے ان سے جو نسل چلی وہ مہاجر نہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں جو لوگ ہجرت کر کے آئے وہ مہاجر ہیں۔ لیکن ان کی نسل مہاجر نہیں........ اسی طرح وہ لوگ مہاجر نہیں جو ملازمتوں اور کسی منصوبے کے تحت پاکستان آئے ہاں وہ لوگ مہاجر ہیں جو صرف اپنا دین بچانے کے لئے یہاں آئے ہوں۔

پھر اسلام کی رو سے انسان جب نقل مکانی کرتا ہے تو اس کے ساتھ وہ مقام تبدیل ہوجاتا ہے جہاں وہ سکونت پذیر تھا۔ مثلاً میں کاندھلہ مقیم تھا اور اب تقریباً ۷۰ سال سے کراچی میں مقیم ہوں۔ اس لحاظ سے میں کاندھلوی نہیں بلکہ کراچوی ہوں لیکن کیونکہ میں کاندھلوی لقب سے مشہور ہوگیا۔ اس لئے میں خود کو

کاندھلوی لکھ دیتا ہوں۔ ورنہ میں پاکستانی ہوں اور کراچوی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۝
اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝
فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ
اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۝ (الحاقہ ۱۹-۲۴)

پھر نامۂ اعمال ہاتھ میں دے دیئے جاویں گے تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاوے گا تو وہ (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو مجھے تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہو گا جس کے میوے (اس قدر) جھکے ہوں گے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہو گا کہ) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام دنیا) میں کیے ہیں۔ (۶۹ : ۱۹-۲۴)

یہ سورۃ الحاقہ کی آیات ہیں جو سب کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئیں بلکہ اغلب گمان یہ ہے کہ مکہ کے ابتدائی پانچ سالوں کے اندر اندر نازل ہوئیں۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے سلسلہ میں یہ بھی ایک روایت ہے کہ حضور کو سورۃ الحاقہ پڑھتے سُنا اور وہ ایمان لائے۔ اگر واقعتاً یہ روایت درست ہے تو یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اور ان آیات میں ان حضرات کا ذکر ہو رہا ہے جو اس وقت تک مشرف باسلام ہو چکے تھے جن میں ابوبکرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، عبداللہ بن مسعود، بلالؓ اور مہجعؓ وغیرہ تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی ہے کہ یہ ان حضرات میں سے ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ وہاں عیش میں زندگی گزار رہے ہوں گے۔ یہ بلند و بالا جنت میں ہوں گے۔ لہذا اب تم کھاؤ پیو اور دنیوی زندگی میں جو عمل کرتے رہے ہو یہ اس کا انجام ہے۔

مفسر ضحاک اور مقاتل کا کہنا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی کے سلسلہ میں نازل ہوئیں جو ابوسلمہ کی کنیت سے مشہور تھے اور جو حضرت ام سلمہؓ کے پہلے خاوند تھے۔

جب کوئی آیت کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہو اس سے صرف وہی شخص مراد نہیں ہوتا بلکہ اس زمانہ کے سب ہی افراد مراد ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آیت کا نزول کسی خاص شخص کے باعث ہوا ہو۔

یہ بھی ذہن میں، ہے کہ مفسر ضحاک تبع تابعی ہے اور محدثین کے نزدیک قابلِ قبول نہیں اور مقاتل مشہور کذاب ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (المزمل — ۲۰)

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرۂ آخرت بنا کر) بھیجدو گے اس کو اللہ کے پاس پہونچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ (۷۳: ۲۰)

اگرچہ یہ سورۂ مزمل کی آیت ہے لیکن علماء کا قول یہ ہے کہ سورۂ مزمل کی آخری آیات

مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں کیونکہ ان آیات میں قتال فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے جن کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس لحاظ سے یہ آیات مدنی ہیں۔

اس آخری آیت سے چند امور واضح ہورہے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالےٰ نے تجارت کو اللہ کا فضل قرار دیا جو اہل مکہ کا شیوہ تھا۔

۲۔ یہ بھی بیان کیا کہ تم جو بھی بھلائی کروگے اسے اللہ کے پاس موجود پاؤگے۔

۳۔ اللہ کے یہاں تمھیں ہر بھلائی کا بہترین اجر ملے گا۔

۴۔ تم اللہ سے استغفار کرتے رہا کرو۔ وہ غفور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ وَّ فَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَہُوْنَ ؕ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ہَنِیْٓـًٔا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ (المرسلات ۴۱-۴۴)

پرہیزگار لوگ سایوں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جاوے گا کہ) اپنے اعمال کے (نیک) صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ (۷۷ : ۴۱-۴۴)

پہلے یہ بار بار بیان کیا جاچکا کہ جہاں جہاں کفار کی برائی بیان کی جاتی ہے۔ وہاں اس طبقہ کی عظمت بھی بیان کی جاتی ہے جو مشرف باسلام ہوچکا۔ اس لحاظ سے قرآن کا ایک بڑا حصہ صحابہ کی عظمت پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۙ وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ وَّکَاْسًا دِہَاقًا ؕ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْہَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا ۚ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ (النبأ ۳۱-۳۶)

اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بے شک کامیابی ہے یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور اور (دل بہلانے کو)

نوخواستہ ہم عمر عورتیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب اور وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں) یہ ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا۔ (۷۸ : ۳۱-۳۶)

متقین کو وہاں کامیابی نصیب ہوگی۔ ان حضرات کو باغیچے اور انگور ملیں گے۔ کنواری لڑکیاں ہیں جو بھرے ہوئے پیالے پیش کریں گی۔ وہاں یہ لوگ کوئی لغویات نہ سنیں گے یہ سب آپ کے پروردگار کی جانب سے ایک بے پناہ عطا ہوگی۔

یہ سورۂ نبا کی آیات ہیں جو تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ گویا ان آیات میں ان صحابہ کی عظمت بیان کی جارہی ہے جو مکی زندگی میں مشرف با اسلام ہو کر تقوے کی منازل طے کر چکے تھے۔ گویا مہاجرین مکہ کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ہجرت مدینہ سے ایک عرصہ قبل تقوی کی منزلیں طے کر چکا تھا جن کے لیے ان انعامات کا اعلان ہو رہا ہے۔ اور تمام سیرت نگار اور تمام مورخین اگرچہ ان میں اکثریت سبائیوں کی ہے لیکن اس پر متفق ہیں کہ مہاجرین اولین ابتداہی میں مشرف باسلام ہو چکے تھے وہ سب حضرات ان آیات کے تحت داخل ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ (الانشقاق ۷-۹)

تو (اس روز) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ (۸۴ : ۷-۹)

یعنی جن مومنوں کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔ یہ حضرات اپنی بیویوں کے پاس مسرور لوٹیں گے۔

اس آیت میں تمام مفسرین کے نزدیک اہل سے مراد بیویاں ہیں۔ تو اسے نہیں۔ اور اس حساب سے مراد اعمال نامہ پیش ہونا ہے۔ پوچھ گچھ نہیں۔

بخاری و مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے قیامت کے روز حساب لیا جائے گا اسے ضرور عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے سامنے یہ آیت پیش کی۔ آپ نے فرمایا یہاں حساب سے مراد عوض ہے لیکن جس سے حساب میں یہ پوچھ لیا جائے گا کہ ایسا کیوں ہوا اسے ضرور عذاب دیا جائے گا۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ (الانشقاق ۲۴-۲۵)

سو (ان اعمال کفریہ کے سبب) آپ ان لوگوں کو ایک اور دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔ (۸۴ : ۲۴-۲۵)

یہ سورت انشقاق کی آخری آیات ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالٰی نے کفار مکہ کو عذاب کی خبر سنائی اور پھر ان حضرات کو بیان کیا جو اس عذاب سے مستثنیٰ رہیں گے۔ وہ وہ صحابہ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے۔ انھیں بغیر منقطع ہوئے اجر ملے گا۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ انھیں کچھ روز اچھا بدلہ مل جائے اور پھر ان کے ساتھ بُرا سلوک ہونے لگے تو اللہ تعالٰی ان مہاجرین مکہ کو بغیر حساب کے اجر دیتا رہے گا۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ (البروج ۱۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۸۵ : ۱۱)

پورے قرآن میں اللہ تعالٰی نے اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ جب بھی کفار اور

مشرکین کا ذکر کیا جاتا ہے تو مؤمنین کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ اسی باعث اللہ تعالےٰ ان مؤمنین کا ذکر فرماتا ہے جو اس آیت کے نزول سے قبل ایمان لا چکے ہیں۔ اور اسی باعث لفظ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا کہہ کر بات کرتا ہے اور یہ دونوں الفاظ ماضی کے صیغے ہیں جو اس بات کی دلیل ہوتے ہیں کہ جن کا ذکر کیا جارہا ہے وہ پہلے سے ایمان لا چکے اور نیک عمل کر چکے ہیں۔ جو آئندہ ایمان لائیں گے ان کا ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ اور یہ سورت تمام مفسرین کے نزدیک مکّی ہے۔ گویا ان آیات میں ان حضرات صحابہؓ کا ذکر ہو رہا ہے جو سابق ہیں ایمان لا چکے اور نیک عمل کر چکے۔ ان حضرات کے لئے جنتیں ہیں جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو ان حضرات کو حاصل ہوگی۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (التین ۶)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (۹۵ : ۶)

اللہ تعالیٰ نے اول اس امر کی وضاحت فرمائی کہ ہم نے انسان کو بہت عمدہ تخلیق پر پیدا کیا۔ لیکن پھر اس کو اسفل السافلین میں پہنچایا۔ اس تباہی کی منزل سے صرف وہی حضرات محفوظ رہیں گے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور نیک عمل کئے تو انھیں بے حساب اجر ملے گا۔

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور قرآن نے جس طبقہ کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے وہ وہ حضرات ہیں جو اس سورت کے نزول سے قبل ایمان لا چکے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان مہاجرین صحابہ کے لئے لاتعداد اجر ہے۔

مدنی آیات

ارشاد الٰہی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؕ (البقرہ - ۲۵)

اور خوشخبری سنا دیجئے آپ اے پیغمبر ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بیشک ان کے واسطے بہشتیں ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان بہشتوں میں بیبیاں ہوں گی صاف پاک کی ہوئی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے۔ (۲ : ۲۵)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے جہاں اہل ایمان اور صاحب عمل کے لئے مختلف امور اور اپنی نعمتوں کا ذکر کیا جو ان آیات میں پائی جاتی ہیں۔ وہاں اللہ تعالےٰ نے اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کا صیغہ استعمال کر کے یہ امر بھی ثابت کر دیا کہ ۲ھ تک ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ہمارے یہاں یہ اجر ہے۔ اور اس سے یہ امر خود بخود ثابت ہو گیا کہ ان آیات کے نزول کے وقت جو لوگ ایمان لا چکے تھے ان کے لئے اس قسم کا اجر ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ۲ھ تک جو لوگ ایمان لا چکے تھے ان میں کوئی دھوکہ باز اور منافق قسم کا انسان نہ تھا اور نہ ان میں ایسے لوگ تھے جو اس لئے ایمان لائے ہوں کہ آج سے بیس بائیس سال بعد جب اس نبیؐ کو حکومت ملے گی تو اس کی

موت کے بعد ہمیں اس کی خلافت پر قبضہ جما کر اس سے فوائد حاصل کرنے کا موقعہ ملے گا۔ لہٰذا اسی وقت سے ایمان لے آؤ۔ بلکہ آج ہمارے پاس جو کچھ موجود ہوا سے بھی داؤ پر لگادو۔ یہ وہ نظریہ ہے جو سبائی بچے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن قرآن نے انھیں سے ۲ھ تک تو مومن قبول کرلیا ہے۔ اگر منافقت بھی پیدا ہوئی ہوگی تو بعد میں ہوئی ہوگی۔ شیعوں کا نظریہ تو غلط ہوگیا۔

اس لئے یہ حربہ تلاش کیا گیا کہ یہ قرآن ہی محرف ہے اس قرآن میں سے ہزارہا آیات حذف کردی گئیں ہیں اور ان صحابہ کی حمایت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے کہنے سے زیدؓ بن ثابت نے بہت سی آیات وضع کرکے قرآن میں شامل کردیں ہیں۔ استغفراللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۠ (النور ۲۶)

یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں ان (حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔ (۲۴ : ۲۶)

یہ صحابہ کرام ان باتوں سے مبرا ہیں جو لوگ ان کے خلاف بناتے ہیں۔ بلکہ ان حضرات کی جانب جو باتیں بھی منسوب کی جاتی ہیں وہ سب جھوٹ پر مبنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صحابہ کے لئے تو مغفرت اور رزق کریم ہے۔

یہ آیت کریمہ ان صحابہ کی شان میں نازل ہوئی تھی جن کی جانب واقعہ افک منسوب کیا جارہا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ صحابہ ان باتوں سے بری ہیں خواہ وہ مسطحؓ بن اثاثہ ہوں یا حسانؓ بن ثابت یہ سب کچھ ان حضرات پر اتہام بازی ہے۔ اور یہ حضرات اس الزام سے پاک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ

الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا
وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (النور ۳۷-۳۸)

جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت اور وہ ایسے دن (کی دار و گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی انجام ان لوگوں کا یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالےٰ جس کو چاہے بے شمار دے دیتا ہے۔ (۲۴ : ۳۷-۳۸)

یہ صحابہ کرامؓ کی خوبیاں بیان کی جارہی ہیں کہ وہ اب اس منزل پر پہونچے ہوئے ہیں کہ انھیں نہ تو تجارت اپنے آپ میں منہمک کر سکتی ہے اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے روک سکتی ہے۔ بلکہ یہ امور نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ تمام امور ایک ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ ان حضرات کو اس دن کا خوف ہے جس دن دل اور آنکھیں سب پھٹی رہ جائینگی۔

صحابہ کرامؓ یہ تمام اعمال اس لئے انجام دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہتر اعمال کی جزا دے۔ اور اپنے فضل سے اس کے صلہ میں اور اضافہ فرما دے۔ اور اللہ تعالےٰ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا نمونہ پیش کر دیا ہے۔

۱۔ کہ ان صحابہ کرامؓ کو کوئی شئے اللہ کے ذکر، نماز کے قیام اور زکوٰۃ دینے سے روک نہیں سکتی۔

۲۔ یہ صحابہؓ اس دن سے خائف رہتے ہیں جس روز نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ انھیں اعمال کی جزا دے گا۔ بلکہ اپنے فضل سے اس میں مزید

اضافہ فرمائے گا۔ اور انھیں بلا حساب رزق دے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (الحج ۵۰)

سو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کیلئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔ (۲۲ : ۵۰)

یعنی جو لوگ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیئے ان کے لئے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔ اس آیت میں اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے ہیں جو یہ بتا رہے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو یہ لوگ ایمان لا چکے تھے اور متعدد نیک عمل بھی کر چکے تھے اور اس وقت بھی ان کا ایمان اور عمل صالح جاری تھا۔ بلکہ یہ بھی ایک لازمہ تھا کہ ان کا یہ ایمان اور عمل صالح برابر جاری رہنا چاہیے۔ اور کوئی وقت ان پر ایسا نہ گزرا ہو کہ وہ ایمان اور عمل صالح سے خالی ہوئے ہوں۔ کیونکہ اگر اس کے خلاف ہو گا تو وہ منافق ہوں گے اور منافقین کے لئے مغفرت اور رزق کریم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گویا جب ان حضرات کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے تو ان کا ہمیشہ صاحب ایمان اور صاحب عمل ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا یہ مہاجرین صحابہ صاحب ایمان بھی ہیں اور صاحب عمل بھی۔ لہٰذا ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

یعنی یہ صورت تو ہرگز ممکن نہیں کہ کسی وقت ایمان اور عمل صالح سے دور ہٹ گئے ہوں۔ بلکہ پورے اہل مکہ پکے منافق بن گئے ہوں جیسا کہ شیعوں کا مذہب ہے۔ اس کا لازمہ یہ بنتا ہے کہ ہم اس قرآن کو کلام اللہ نہ مانیں۔ بلکہ یہ الفاظ یا تو زیدؓ بن ثابت نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو خوش کرنے کے لئے داخل کر دیئے ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) اتنا لاعلم ہو کہ جب تک اس کے سر پر سے پانی نہ گزر جائے اسے خبر بھی نہ ہو تو اتنا لاعلم اللہ ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن شیعوں کا خدا ضرور ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے خدا نے

جعفر کے بعد اسمٰعیل کو امام بنایا تھا۔ لیکن اسمٰعیل کی موت سے جعفر پر یہ عقیدہ کھلا کہ خدا کو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ جناب اسمٰعیل فوت ہو جائیں گے۔ اور اس طرح اثنا عشری وجود میں آجائیں گے۔ کیونکہ خدا وہی ہوتا ہے جسے ہر بات کا علم نہ ہو۔ لہٰذا شیعوں کے خدا کو اس کا بھی علم نہ ہو سکا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ و زبیرؓ اور سعدؓ مومن تھیں بلکہ عیاذاً باللہ منافق ہیں۔ لیکن اس خیالی خدا کو ان کے منافق ہونے کا علم اس وقت ہوا جبکہ وہ ایک طویل عرصہ تک برسر اقتدار رہ کر دنیا سے گزر گئے۔

عبداللہؓ بن عباس کا بیان ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی۔ جیسے ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ اور معاویہؓ۔ ابوالعالیہ اور حسن بصریؒ کی رائے ہے کہ اس سے مراد امت مسلمہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انھیں حکومت عطا فرماتا ہے تو یہ نمازیں قائم کرتے ہیں۔

ضحاک مفسر کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جنھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکومت و سلطنت حاصل ہو، یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

سہل بن عبداللہ التستری کا قول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر سلطان اور ہر آنے والے حاکم پر واجب ہے۔ یعنی یہ حضرات ان امور میں جتنی خامی دکھاتے جائیں گے اتنا ہی اسلام سے دور ہوتے جائیں گے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الحج ۳۴-۳۵)

اور (اے محمدؐ آپ ایسے احکام الٰہیہ کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجیے جو ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے)

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (بقدر حکم اور توفیق کے) خرچ کرتے ہیں۔ (۲۲ : ۳۴-۳۵)

قرطبی کا بیان ہے کہ یہ آیات ابوبکرؓ و عمرؓ اور علیؓ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ سورۂ حج کی آیات ہیں۔ اور ان آیات میں سے ہیں جن کے بارے میں مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس لحاظ سے یہ آیات مدنی ہیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین صحابہ نے ابتداء میں جس تکلیف کے ساتھ زندگی گزاری اس کا نقشہ ان آیات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس تنگدستی کے باوجود وہ اللہ کے حکم کی اتباع میں مال خرچ کرتے اور جو مصائب ان پر نازل ہوتے ہیں اسے برداشت کرتے ہیں اور جب بھی ان کے روبرو اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

اللہ تعالے نے صحابہ کرام کی یہ خوبی بیان کی ہے۔ جب کہ شیعہ فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تمام مہاجرین صحابہ منافق تھے اور انھوں نے یہ سب کام بطور منافقت انجام دیئے تھے۔ لیکن یہ ایک ایسا مخفی نفاق تھا جس کی خبر اللہ کو بھی نہیں ہو سکی۔ اسی لئے وہ اس کے قائل ہیں کہ یہ قرآن عثمانؓ کا وضع کردہ ہے اور اس میں انصار و مہاجرین کی فضیلت ہے یہ سب وضعی ہے جو بعد میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور زیدؓ بن ثابت نے وضع کر کے اس قرآن میں شامل کی ہیں۔ اصل قرآن امام غائب کے پاس ہے۔ جو تقریباً تیرہ سو سال سے غائب ہیں۔ جب امام صاحب قرآن ناطق کے ساتھ تشریف لائیں گے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو پھانسی پر چڑھائیں گے تو اس وقت آپ حضرات ان سے لے کر اس قرآن ناطق پر ایک نظر ڈال سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ آپ کو دیکھنے کی اجازت دیدیں۔

اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ (الحج ۱۴)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے۔ (۲۲ : ۱۴)

اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار کا حال بیان کیا۔ اب مومنین کا حال بیان کرتا ہے کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے وہ ضرور پورا کرتا ہے۔

اس آیت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اصل ارادہ کرنے والا یعنی مُرید اللہ ہے یعنی وہ خود مرید ہے اور دوسروں کے لحاظ سے مُراد ہے۔ یعنی اس صورت میں خود کو مرید قرار دینا اور پیر صاحب کو مراد بنانا عین کفر ہے۔ در اصل اللہ خود مرید اور مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ○ وَهُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ صلے وَهُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ○ (الحج ۲۳-۲۴)

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ ایمان لائے اور نیک کام کئے (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور انکو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی اور (یہ سب انعام ان کے لئے اس لئے ہے کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (کے اعتقاد) کی ہدایت ہوگئی تھی اور ان کو اس (اللہ) کے رستہ کی ہدایت ہوگئی تھی۔ (۲۲ : ۲۳ — ۲۴)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ انھیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور وہ ریشمی

لباس پہنے ہوں گے۔ انھیں پاکیزہ اور قابل حمد راہ کی ہدایت کی گئی تھی۔

یہ سورۂ حج کی آیات ہیں جو بعض کے نزدیک مدنی ہیں اور بعض کے نزدیک مکی ہیں۔ اور مفسر قرطبی کا قول یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیات مکی ہیں اور پھر کچھ آیات مدنی ہیں۔ اور یہ ابتدائی آیات ہیں لہذا مکی ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں ان تمام مؤمنین مکہ کے لئے انعامات کا اعلان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان حضرات کو پاکیزہ باتوں اور صراط حمید کی ہدایت کی گئی تھی۔ یعنی اس راہ کی جو جنت کی جانب لیجانے والی ہے۔

ان آیات سے یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ وہ صحابۂ کرام جنھوں نے ہجرت کی وہ سب صاحب ایمان اور نیک عمل کے پابند ہیں۔ انھیں جنتوں میں داخل کیا جائے گا جہاں انھیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ انکا لباس ریشم کا ہوگا۔ انھیں دنیا میں پاکیزہ بات یعنی قرآن کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اور دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا گیا ہے۔ لہذا وہ تمام حضرات جنھیں مہاجرین کہا جاتا ہے ان سب کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ قرآن کا منکر ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۷۰ — ۷۱)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمھارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دیگا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہونچے گا۔ (۳۳ : ۷۰ — ۷۱)

مفسر قرطبی لکھتے ہیں کہ ابن عباس کا بیان ہے کہ سیدھی بات کرو۔ عکرمہ اور

ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ سیدھی بات سے مراد لاالہ الا اللہ ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ قول سدید سے مراد وہ بات ہے جس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔

ظاہراً آیت سے اس جانب اشارہ ہے کہ مؤمنین کو وہ کام نہیں کرنا چاہئے جو اذیت رسول اور اذیت مؤمنین کا سبب ہو۔ پھر یہ وعدہ فرمایا کہ جو شخص صحیح اور سیدھی بات کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی اصلاح کرے گا اور اس کے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا اور انھیں ایک بہت بڑا درجہ ملے گا۔

لہٰذا سیدھی بات یہ ہے کہ ازواج رسول کے معاملہ میں انسان کوئی بدگوئی نہ کرے۔ بلکہ انھیں اپنی ماں کی طرح معزز سمجھے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (محمد ۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا اور ان کی حالت درست رکھیگا۔ (۴۷ : ۲)

عبداللہؓ بن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس سے مراد انصار صحابہ ہے یہی قول مجاہد کا ہے۔ مفسرین کا دعویٰ ہے کہ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے مراد انصار ہیں اور مراد سے مطلب ان کے اپنے مالوں اور مکانات میں برابری کا درجہ ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ صالحات سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جن سے اللہ راضی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار جنھوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے۔ اللہ ان کی برائیاں دور فرمائے گا۔

اس آیت میں تمام مہاجرین و انصار داخل ہیں۔ کیونکہ یہ آیت مدنی ہے۔ گویا کہ مکہ کی زندگی میں اور مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جتنے حضرات بھی ایمان سے مشرف ہوئے

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ وہ ان سب حضرات کی برائیاں دور کر دے گا اور نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔ ان صحابہ میں سے اگر کسی سے غلطی بھی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمانے والا ہے۔ یہ سب وہ حضرات ہیں جو مہاجرین کے شرف سے ممتاز ہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان حضرات نے مدنی زندگی بھی گذاری۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ (محمد ۱۵)

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف بخشش ہوگی۔ (۴۷ : ۱۵)

ان جنتوں کی کیفیت جن کا ان متقین (صحابہ) سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان میں مختلف قسم کی نہریں ہوں گی۔ ایک تو پانی کی نہر ہوگی جس میں بو پیدا نہ ہوگی کچھ نہریں دودھ کی ہوں گی جن کے مزے میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا ہوگا۔ کچھ شراب کی نہریں ہونگی جو پینے والوں کو مزا دیں گی اور کچھ نہریں صاف شہد کی ہوں گی۔ ان کو ہر قسم کے پھل بھی ملیں گے اور انھیں اپنے پروردگار کی مغفرت بھی حاصل ہوگی۔

ترمذی نے حکیم بن معاویہ سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک تو پانی کی نہر ہوگی۔ ایک شہد کی نہر ہوگی۔ ایک دودھ کی نہر ہوگی اور ایک شراب کی نہر ہوگی اور پھر ان سے اور نہریں

پھوٹیں گی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ عربی میں شراب ہر پینے کی شے کو کہتے ہیں۔

اس آیت میں مہاجرین اور انصار صحابہ کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ انھیں یہ لذتیں حاصل ہونی ہیں۔ اس باعث سبائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن محرف ہے کیونکہ اس میں ان صحابہ کا حال بیان کیا جارہا ہے جنھوں نے علیؓ کی ولایت کو قبول نہیں کیا تھا۔ اور قرآن صرف وہ ہوسکتا ہے جس میں علیؓ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ اور صحابہ کی برائی بیان کی گئی ہو۔ اور یہ قرآن چونکہ تمام صحابہ کی تعریف تو کرتا ہے۔ مذمت نہیں کرتا۔ لہذا یہ پورا قرآن محرف ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۙ (الفتح ۵)

تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کردے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ (۴۸ : ۵)

اللہ تعالےٰ نے اول تو مؤمنین کے دلوں پر سکون نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہے جیساکہ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ان مؤمنین صحابہ کو ان جنتوں میں داخل کیا جائے جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اور ان مؤمنین کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے۔ اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

گویا سنہ تک ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دی جارہی ہے۔ اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کا ذکر ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ بیعت رضوان کے وقت تک جو حضرات ایمان لائے اور اس بیعت میں شریک ہوئے اللہ تعالیٰ انھیں

جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ ان حضرات کی تعداد چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان تھی۔ ان بیعت رضوان کے شرکاء میں متعدد ایسے حضرات بھی تھے جو کربلا کے وقت زندہ تھے لیکن ان حضرات نے یزیدؒ کی بیعت کی اور حضرت حسینؓ کے اس اقدام کی مخالفت کی مثلاً عبداللہؓ بن عمرؓ، جابرؓ بن عبداللہ، سلمہؓ بن الاکوع اور انس بن مالک وغیرہ اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے جو اس کا ثبوت ہے کہ اس معاملہ میں حضرت حسینؓ سے غلطی ہو رہی تھی اور یہ دعویٰ کہ حضرت حسینؓ نے حق کی خاطر جان دی وہ اس لحاظ سے درست ہے کہ انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا ہاتھ اپنے چچا کے بیٹے کے ہاتھ میں دیدیں گے (یعنی یزید کے ہاتھ میں) اور اس جرم کے تحت ان کے ساتھیوں نے انھیں نینوا کے مقام پر شہید کر دیا جبکہ وہ دمشق جا رہے تھے اس لحاظ سے وہ شہید ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے یزیدؒ کی مخالفت پر جان دی تو اس معاملہ میں وہ تمام صحابہؓ ان کے مخالف تھے جو اس وقت حیات تھے اور قرآن نے ان صحابہؓ کے جنتی ہونے کا جگہ جگہ اعلان کیا ہے جبکہ حضرت حسینؓ کے لئے ایسا کوئی اعلان نہیں۔

اور اس پر ہمارا یقین ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں اور علی الخصوص وہ صحابہ جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ اور سبائی قتل حسینؓ کو اسی لئے اچھالتے ہیں تاکہ اس سے صحابہ کو گمراہ قرار دیا جا سکے۔ اور ہندو پاکستان کے نوے فیصد اسی مرض میں مبتلا ہیں اللہ تعالےٰ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے۔

اس صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم پر از روئے قرآن یہ تو لازم ہے کہ ہم ان تمام صحابہ کو جنتی مانیں، ان حضرات پر ایمان لائیں۔ اور ان حضرات کی راہ پر چلیں ان حضرات نے حسینؓ کی اتباع نہیں کی بلکہ حسینؓ سے یہاں تک کہا کہ "لا تخرج یا حسین" اے حسین بغاوت نہ کرو۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان تمام صحابہ کو گمراہ قرار دینا ممکن نہیں۔ ہاں حسینؓ بن علیؓ کی غلطی مان لینا آسان ہے۔ ورنہ صحابہ کی ایک جماعت کو گمراہ ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ موجودہ دور کے سنی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿فتح ۱۷﴾

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کریگا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ (۴۸ : ۱۷)

یعنی جب خلیفۃ الرسول تمھیں جنگ فارس کے لئے بلائیں تو ان مذکورہ تین شخصوں کے لئے تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن بقیہ افراد میں سے کوئی فرد ان خلفاء کی اطاعت سے گریز کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالےٰ اسے جنتوں میں داخل فرمائے گا۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہمارے لئے کیا احکام ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

گویا یہ بیان کیا گیا کہ جو ان ہر سہ خلفاء کی اطاعت سے گریز کرے گا وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس آیت اور سابقہ آیت سے ان سہ خلفاء یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی اطاعت فرض ہوئی اور جو ان کی اطاعت سے گریز کرے گا وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوْا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿الحدید ۔ ۷﴾

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا۔(۵۷ : ۷)

یہ سورۂ حدید کی ایک آیت ہے جو سب کے نزدیک مدنی ہے بلکہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور ان میں سے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے ہیں ایک بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس وعدہ میں جہاں مہاجرین داخل ہیں وہاں انصار بھی داخل ہیں۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کا ذکر کیا جا رہا ہو جنھوں نے غزوۂ تبوک کے وقت اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ مثلاً ابوبکرؓ نے گھر کا سب مال و اسباب اللہ کی راہ میں دیدیا۔ عثمانؓ نے سو اونٹ خرید کر دیئے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ اور نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ہاتھوں میں لیکر فرماتے آج کے بعد عثمانؓ جو چاہے عمل کرے اسے کوئی شے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ گویا اس آیت میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کا ذکر ہو رہا ہے کیونکہ اصل مال خرچ کرنے والے یہی حضرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الحدید ۲۱)

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔(۵۷ : ۲۱)

اے صحابہ تم مغفرت کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف لپکو جس کا عرض ساری زمین اور آسمانوں کے برابر ہوگا۔ یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہ اللہ کا ایک فضل ہے جسے چاہے عطا کردے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ممکن ہے کہ کل جنت کا عرض اتنا ہو جو زمین و آسمانوں کی وسعت کے برابر ہو اور یہ

بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کو جو جنت ملے اس کا عرض یہ ہو۔ اور چونکہ ہمیشہ طول عرض سے بڑا ہوتا ہے اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس جنت کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو اس جنت کا طول کتنا طویل ہو گا۔

یہ تمام وعدے صحابہؓ سے کئے جا رہے ہیں اور کیونکہ یہ آیت فتح مکہ کے ایک طویل عرصہ بعد نازل ہوئی لہٰذا اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کے تحت وہ تمام صحابہ بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے روز یا اس کے بعد اسلام سے مشرف ہوئے۔ جنھیں مؤلفۃ القلوب کہکر منافق قرار دینا سبائیوں کا خاص شیوہ ہے تاکہ صحابہ کے ایک طبقہ کو منافق قرار دے کر دوسروں کو کافر قرار دینے کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۚ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝ (الدھر ۵-۱۴)

اور جو نیک لوگ ہیں وہ ایسے جام شراب سے شرابیں پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی یعنی ایسے چشمے سے پیویں گے جس سے اللہ کے خاص بندے پیویں گے اور جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں

جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ (محض) اللہ کی محبت سے غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تم کو محض اللہ کی رضا مندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا فعلی) بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا قولی) شکریہ (چاہیں) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمادے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دے گا) اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلے میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر آرام و عزت سے تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش (اور گرمی) پاویں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحت بخش اعتدال ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ (وہاں کے یعنی جنت کے) درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے) (الدہر ۷۶: ۸-۱۴)

عبداللہ بن عباسؓ، مقاتل اور کلبی کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ دیگر جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ لیکن یہ فیصلے ان روایات کے باعث ہیں جو اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ لیکن اس سورت کا انداز بیان واضح طور پر یہ اعلان کر رہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور جن لوگوں نے اس کے مدنی ہونے کا دعویٰ کیا وہ ان خرافات کے باعث کیا جو اس سلسلہ میں سبائیوں نے روایت کیں ہیں جن میں سے ایک کہانی حضرت علیؓ اور حضرات حسنین سے متعلق ہے جو پوری ایک الف لیلیٰ کی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ جو مفسر نقاش ثعلبی اور قشیرہ نے اپنی تفاسیر میں نقل کی ہے۔ جس کا راوی جابر جعفی مشہور کذاب ہے جو اس امر کا قائل تھا کہ حضرت علیؓ شہید نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے اور بادلوں میں وہی گھومتے پھرتے ہیں۔ اور بادلوں کی گرج دراصل حضرت علیؓ کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ہے۔ اور یہ عقیدہ نصیری طبقہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول

ہے کہ میں نے آج تک جابر جعفی سے زیادہ کذاب کوئی نہیں دیکھا۔

اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ تین روز لگاتار فاقوں سے رہے اور اپنے حصہ کا کھانا فقیر کو کھلاتے رہے۔

حکیم ترمذی ابو عبداللہ نوادر النوادر میں لکھتے ہیں۔ یہ روایت گھڑ کر تیار کی گئی ہے تاکہ سننے والوں کو پاگل پن میں مبتلا کیا جا سکے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (اور آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا شئے خرچ کریں آپ فرما دیجئے جو زیادہ ہو) اور عفو وہ مال ہوتا ہے جو انسان کے اپنی ذات اور بچوں پر خرچ کرنے سے بچ رہے۔ پھر اس کے بعد حکیم ترمذی نے متعدد قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے کہ یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے۔ قرطبی ج۸ ص۶۹۲۰

اس قسم کی فرضی کہانیوں کو بنیاد بنا کر لوگوں نے سورۂ دہر کے مدنی ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن جن حضرات کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ ان کے نزدیک یہ واقعہ ہی بے بنیاد ہے کجا کہ اس کہانی پر کسی سورت کے شان نزول کی بنیاد رکھنا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی خوبیاں بیان کی ہیں کہ یہ ایک ایسے پیالے سے پانی پئیں گے جس کا مزا کافور کا ہوگا وہ ایسے چشمے کا پانی ہوگا جس سے اللہ کے بندے پانی پیتے ہیں۔ یہ حضرات نذروں کو پورا کرتے اور اس روز سے ڈرتے ہیں جس کا شر سب کو گھیر لیگا۔ یہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور اس تمام عمل سے ان کا مقصود اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ کوئی بدلہ اور کوئی شکر گزار ہونا مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمیں پروردگار سے ایک سخت عذاب کا خوف رہتا ہے۔ اللہ نے انھیں اس روز کے شر سے محفوظ رکھا اور ان پر خوشی اور مسرت نازل کی۔ اور اس کی جزا میں انھیں جنت اور ریشمی لباس عطا کئے۔ جہاں یہ گدّوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ تو یہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی ہوگی۔ درختوں کے سائے ان کے قریب ہوں گے اور پھل ان کے لئے مسخر کر دئے جائیں گے۔

چونکہ یہ سورت مکی ہے لہذا ان آیات میں ان صحابہ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے جو

جو مکہ میں مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ ان حضرات میں وہ صحابہ بھی تھے جنھیں سبائی فرقہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝ قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ۝ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۝ (الدھر۔ ۱۵-۲۲)

اوران کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے اور وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا اور وہاں ان کو (علاوہ جام شراب مذکور کے) ایسا جام شراب پلایا جاویگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (ان کو پلایا جاوے گا) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا اوران کے پاس (یہ چیزیں لیکر) ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اوراس قدر حسین ہیں کہ اے مخاطب اگر توان کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اوراے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے اوران جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (کیونکہ ہر لباس میں جدا لطف ہے) اوران کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اوران کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔ (جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت) یہ تمھارا صلہ ہے اور تمھاری کوشش (جو دنیا میں کرتے تھے) مقبول ہوئی۔ (۷۶ : ۱۵-۲۲)

اللہ تعالٰے نے ان آیات کریمہ میں ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو ان صحابہ کرام کو ملی ہیں جو مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس لئے کہ بقول مفسر قرطبی ابن عباسؓ اور مقاتل وکلبی یہ سورت مکی ہے۔ اگرچہ دیگر مفسرین کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ لیکن اس سورت کا انداز بیان پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ سورت یقیناً مکی ہے۔ جو حضرات اس سورت کو مدنی کہتے ہیں۔ وہ زبان کے انداز بیان کو ہی نہیں سمجھتے۔

اگر یہ سورت مکی ہے تو یہ تمام خوبیاں ان صحابہؓ کی بیان کی جارہی ہیں جو مکہ معظمہ میں مشرف باسلام ہو چکے تھے اس لحاظ سے ان آیات کا مصداق ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص یہ سب حضرات ہیں۔ اور اگر یہ سورت مدنی ہے تو حضرت انسؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت جابرؓ وغیرہ بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے صحابہؓ کی اس صف میں انصار بھی داخل ہوں گے۔ اور اسی باعث سبائیوں کو یہ قرآن محرف نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں صحابہؓ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے سبائیوں کا ہاضمہ خراب ہوتا ہے۔ انھیں ایسا قرآن چاہئے جس میں صحابہؓ کی برائیاں بیان کی گئی ہوں اور ایسا نبی چاہئے کہ جس پر صرف تین افراد ایمان لائے ہوں اور ان کا بھی اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو سلمانؓ کے علاوہ کوئی مومن نہ نکلے۔ اسی لئے یہ روایت وضع ہوئی کہ جب اللہ تعالٰے پیار میں آتا ہے تو فارسی میں کلام کرتا ہے ناراضگی میں ہوتا ہے تو عربی میں کلام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پورا قرآن ناراضگی کی بنیاد ہے۔ اس سے پیار تو وہ کرے گا جو اللہ کی ناراضگی کو پسند کرے گا۔ ہمارے صوفیائے بھی قرآن کو کبھی اس لئے پسند نہیں کیا کہ وہ ایران کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اور اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج پوری قوم قرآن سے متنفر نظر آتی ہے۔

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ (البینہ ۷۔۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے۔ یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (۹۸ : ۷-۸)

یہ سورۂ بینہ کی آیات ہیں جو اکثر مفسرین کے نزدیک مدنی ہے اور اس آیت کے تحت تمام مہاجرین اور انصار داخل ہیں۔ گویا اللہ تعالےٰ یہ اعلان فرما رہا ہے کہ یہ تمام صحابۂ کرام خیر البریہ (مخلوق کے سب سے بہتر انسان) ہیں۔ انھیں جزا ایں جنت عدن ملے گی جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اور یہ حضرات صحابہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ دراصل یہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے۔ دراصل یہ مقام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو۔ اور چونکہ یہ صحابۂ کرام اللہ سے ڈرتے تھے اس لئے ان کو یہ مقام مل چکا۔ اور اب ہمیشہ کے لئے وہ رضی اللہ و رضوا بن چکے۔ چاہے ان کے دشمن ان کے خلاف جتنی داستانیں چاہیں وضع کرلیں ان کے رد کے لئے قرآن بہت کافی ہے۔ دراصل یہ حضرات پروردگار سے ڈرنے والے لوگ تھے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۧ (العصر ۳)

مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاداً) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔ (۱۰۳ : ۳)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ صرف قتادہ کو اس سے اختلاف ہے۔ گویا اللہ تعالےٰ ان مومنین کے مدارج بیان کر رہا ہے جو مکی زندگی میں مشرف باسلام

ہو چکے تھے اور ان آیات کے نزول سے قبل نیک عمل کرتے رہے اور دوسروں کو حق پر قائم رہنے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ گویا یہ ان صحابہؓ کا حال بیان کیا جا رہا ہے جنہیں اسلام کی خاطر مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اللہ کے فضل سے ان مصائب سے کوئی مہاجر بری نہ تھا۔ لیکن ان مصائب کے باوجود وہ دین حق پر قائم رہے اور دیگر حضرات کو دین پر قیام کی تلقین کرتے رہے۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ امر بیان کر رہا ہے کہ یہ مہاجرین مؤمن بھی ہیں اور صاحب عمل بھی۔ یہ حضرات حق پر قائم رہنے اور صبر کی تلقین کرنے والے ہیں۔

اشاریہ

نام سورة مع نمبر	آیت	صفحہ
الاحزاب—٣٣	٢٢	١٥٧
	٢٣	١٥١
	٢٤-٢٢	٢٢٢
	٢٧-٢٥	١٥٣
	٢٩	٢٢٧
	٣١-٣٠	٢٢٥
	٣١	٢٢٣
	٣٢	٢٢٣
	٣٣	٢٢٤
	٣٤	٢٣٥-٢٣٧
	٣٥	٢١٦
	٣٦	١٨٣
	٤٢-٤١	١٩٥
	٤٣	١٩١
	٤٧	١٩١
	٥٠	٢٢٩
	٥٣-٥٢	٢٣٨-٢٢٦
	٥٣	٢٣٤-٢٣٦ ٢٢٦
	٥٨	١٩٠
	٥٩	٢٢٠
	٧١-٧٠	٣٠٦

نام سورة مع نمبر	آیت	صفحہ
سبا—٣٤	٣٧	٢٢٧
فاطر—٣٥	٧	٢٨١
	٣٠-٢٨	٢٨٢
	٣٥-٣٢	٢٨٣
	٣٤	٢٨٢
یٰسٓ—٣٦	١١	٢٨٤
	٥٨-٥٤	٢٨٥
الصّٰفّٰت—٣٧	٤٩-٢٩	٢٨٦
صٓ—٣٨	٥٤-٤٩	٢٨٧
الزمر—٣٩	٩	٩٣
	١٠	٩٨
	١٨-١٧	٤٠
	٢٠	٢١
	٢٣-٢٢	٤١
	٣٣	٢١٢
	٣٥-٣٣	١٨
	٥٣	٨٧
	٦١	١٩
	٧٤-٧٣	٢٠
المؤمن—٤٠	٩-٧	٤٦
	٤٠	٢٨٨
	٥٨	٩٥

لِلنَّاسِ

تم امت کے بہترین افراد ہو، لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ آلِ عمران ۱۱۰

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآن کی نظر میں

تالیف

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ون۔ اے۔ ۷/۳ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰۔

فون ۶۱۱۴۴۸۰